قرآنی قسموں کا فلسفہ

اور

بعض سُورتوں کی لاجواب تفسیر

از

سیّدنا حضرت مرزا صاحب قادیانی (المسیح موعود)

ناشر

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری

افسر شعبہ دعوۃ وارشاد

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

۱۵ مارچ ۱۹۷۲ء   تعداد اشاعت ایک ہزار   مطبع ایوگرین پریس لاہور

www.aaiil.org

عقائد احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

۱۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے ہیں۔

۲۔ ہم آنحضرت صلعم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور بالفاظ بانیٔ سلسلہ :

"اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا نیا ہو یا پرانا"۔ "جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بیدین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدمی صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ صلعم پر ختم ہو گئی"۔

"ہم نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں"۔

۳۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب مانتے ہیں جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہوگا۔

۴۔ ہم آنحضرت صلعم کے بعد مجددین کا آنا مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ اس امت میں ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو حدیث نبوی "رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء" کے مطابق انبیاء تو نہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے یقینی اور قطعی الہام کے ذریعہ سے کلام کرے گا۔

۵۔ ہم تمام صحابہ کرام اور تمام ائمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہلسنت کے مسلمہ بزرگ ہوں یا اہل تشیع کے اور کسی صحابی یا امام یا محدث یا مجدد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں :

۶۔ ہم ہر اس شخص کو جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان سمجھتے ہیں خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔

۷۔ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو زمانہ کا مجدد و مسیح و مہدی مانتے ہیں نیز انہیں زمرۂ انبیاء کا نہیں بلکہ زمرۂ اولیاء کا فرد یقین کرتے ہیں ان کے اپنے الفاظ میں "نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے"۔ "میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اور ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونیکا دعویٰ کرتا ہے ہاں ہم آپ پر بحیثیت مجدد ہونیکے محض لغوی بروزی مجازی امتی جزوی و ناقص نبی کے الفاظ کا اطلاق جائز سمجھتے ہیں جو بالفاظ بانیٔ سلسلہ احمدیہ محدث اور مجدد کے ہم معنی الفاظ ہیں" ہاں محدث جو مرسلین میں سے ہے امتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی"۔ تا یہ ثابت ہو کہ یہ مقام مجددیت محض حضرت نبی کریم صلعم کے روحانی فیض اور آپ کی اتباع کامل کا نتیجہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریمؐ

قرآنی قسموں کا فلسفہ اور بعض سورتوں

کی

لاجواب تفسیر

اس جگہ اس بات کا بیان کرنا بھی بے موقعہ نہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے رُوح القدس اور رُوح الامین وغیرہ کی تعبیر کی ہے[1]۔ یہ درحقیقت اُن عقاید سے جو اہلِ اسلام ملایک کی نسبت رکھتے ہیں منافی نہیں ہے کیونکہ محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں۔ کہ ملایک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اترتے ہیں اور یہ خیال بداہت باطل ہی ہے کیونکہ اگر یہی ضرور ہوتا کہ ملایک اپنی اپنی خدمات کی بجاآوری کے لیے اپنے اصل وجود کے ساتھ زمین پر اترا کرتے تو پھر اُن سے کوئی کام انجام پذیر ہونا بغایت درجہ محال تھا مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزارہا ایسے لوگوں کی

[1] رُوح القدس اور رُوح الامین کی تشریح کتاب "شان محمد مصطفےٰ صلعم" میں گزرچکی ہے۔ قارئین کرام کو چاہیے کہ اس کتاب کو بھی منگوا کر اس کا مطالعہ کریں۔ انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے ان کے علم اور معرفت میں کافی ترقی ہوگی۔

جانیں نکالتا ہے جو مختلف بلاد و امصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ہر یک کے لیے اس بات کا محتاج ہو کہ اوّل پیروں سے چل کر اس کے ملک اور شہر اور گھر میں جاوے اور پھر اتنی مشقت کے بعد جان نکالنے کا اُس کو موقعہ ملے تو ایک سیکنڈ کیا اتنی بڑی کارگزاری کے لیے تو کئی چینے کی مہلت بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کرکے ایک طرفۃ العین کے یا اس کے کم عرصہ میں تمام جہان گھوم کر چلا آوے، ہرگز نہیں۔ بلکہ فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو اُن کے لیے خدائے تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں ایک ذرّہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے جیسا کہ خدائے تعالیٰ اُن کی طرف سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وما منا الا لہ مقام معلوم انا لنحن الصافون (سورۃ صافات جزو ۲۳) پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اُس کی گرمی و روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے موافق زمین کی ہر یک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح روحانیات سماویہ خواہ اُن کو یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس فلکیہ کہیں یا دساتیر اور وید کی اصطلاحات کے موافق ارواح کواکب سے اُن کو نامزد کریں یا نہایت سیدھے اور موحدانہ طریق سے ملایک اللہ کا اُن کو لقب دیں[1]۔ درحقیقت یہ عجب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرارگیر ہے اور بحکمت کاملہ خداوند تعالیٰ زمین کی ہر یک مستعد چیز کو اُس کے کمال مطلوب تک پہنچانے کے لیے یہ روحانیات خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ ظاہری خدمات بھی بجا لاتے ہیں اور باطنی بھی، جیسے ہمارے اجسام اور ہماری

---

[1] ملایک اس معنی سے ملایک کہلاتے ہیں کہ وہ ملاک اجرام سماویہ اور ملاک اجسام الارض ہیں۔ یعنی ان کے قیام اور بقا کی رُوح کی طرح ہیں اور نیز اس معنی سے بھی ملایک کہلاتے ہیں۔ کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں۔

تمام ظاہری قوّتوں پر آفتاب اور ماہتاب اور دیگر سیاروں کا اثر ہے۔ ایسا ہی ہمارے دل اور دماغ اور ہماری تمام روحانی قوّتوں پر یہ سب ملایک ہماری مختلف استعدادوں کے موافق اپنا اپنا اثر ڈال رہے ہیں جو چیز کسی عمدہ جوہر بننے کی اپنے اندر قابلیت رکھتی ہے۔ وہ اگرچہ خاک کا ایک ٹکڑا ہے یا پانی کا وہ قطرہ جو صدف میں داخل ہوتا ہے یا پانی کا وہ قطرہ جو رحم میں پڑتا ہے۔ وہ اُن ملایک اللہ کی روحانی تربیّت سے لعل اور الماس اور یاقوت اور نیلم وغیرہ یا نہایت درجہ کا آبدار اور وزنی موتی یا اعلیٰ درجہ کے دل اور دماغ کا انسان بن جاتا ہے۔ دساتیر جس کو مجوسی لوگ الہامی مانتے ہیں۔ جس نے اپنی مدّت ظہور کی وہ لمبی تاریخ بتلائی ہے جس کا کروڑواں حصّہ بھی وید کی مُدّت ظہور کی نسبت بیان نہیں کیا گیا یعنی وید کی نسبت تو صرف ایک ارب چھیانویں کروڑ مُدّت ظہور محض دوسروں کے وہم اور گمان سے قرار دی گئی ہے۔ مگر دساتیر تین سنکھ سے کچھ زیادہ اپنی مُدّت ظہور آپ بیان کرتا ہے بلکہ یہ تو ہم نے ڈرتے ڈرتے لکھا ہے۔ وہاں تو سنکھوں کی حد سے زیادہ تین صفر اور بھی درمیان ہیں۔ یہ کتاب ان روحانیات کو جو کواکب اور سموات سے تعلق رکھتی ہیں۔ نہ صرف ملایک قرار دیتی ہے بلکہ ان کی پرستش کے لیے بھی تاکید کرتی ہے۔ ایسا ہی وید بھی اُن روحانیات کو صرف وسائط اور درمیانی خدمت گزار نہیں مانتا بلکہ جا بجا ان کی اُستت اور مہما کرتا ہے اور اِن سے مرادیں مانگنے کی تعلیم دیتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کتابوں میں تحریف اور الحاق کے طور پر یہ پُر کفر تعلیمیں زائد کی گئی ہوں، جیسی وید میں ایسی اور بھی بہت سی بے جا تعلیمیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ تعلیم کہ اس جہاں کا کوئی خالق نہیں ہے اور ہر ایک چیز اپنے اصل مادہ اور اصل حیات کی رُو سے قدیم اور واجب الوجود اور اپنے وجود کی آپ ہی خُدا ہے یا یہ تعلیم کہ کسی وجود کو تناسخ کے منحوس چکر سے کبھی اور کسی زمانہ میں

مخلصی حاصل ہو ہی نہیں سکتی یا یہ تعلیم کہ ایک شوہر دار عورت اولاد نرینہ نہ ہونے کی حالت میں کسی غیر آدمی سے ہم بستر ہو سکتی ہے تا اس سے اولاد حاصل کرے یا یہ تعلیم کہ بڑے بڑے مقدس لوگ بھی گو وید کے ہی رشی کیوں نہ ہوں جن پر چاروں وید اُترے ہوں ہمیشہ کی نجات کبھی نہیں پا سکتے اور نہ لازمی طور پر ہمیشہ بزرگوار اور عزت کے ساتھ یاد کرنے کے لائق ٹھہر سکتے ہیں بلکہ ممکن ہے کہ تناسخ کے چکر میں آکر اور اور جانداروں کی طرح کچھ کا کچھ بن جائیں بلکہ شاید بن گئے ہوں اور اُن کے زعم میں خواہ کوئی انسان اوتاروں سے بھی زیادہ مرتبہ رکھتا ہو یا وید کے رشیوں سے بھی بڑھ کر ہو اُس کے لیے ممکن بلکہ قانون قدرت کی رُو سے ضروری پڑا ہوا ہے کہ کسی وقت وہ کیڑا مکوڑا یا نہایت مکروہ اور قابل نفرت جانور بن کر کسی خسیس مخلوق کی نوع میں جنم لیوے ۔ یہ سب باطل تعلیمیں ہیں جو انسانوں کے رذیل خیالات نے ایجاد کی ہیں اور جن لوگوں نے یہ تمام بے شرمی کے کام اور دوراز عزت انتقالات اپنے بنی نوع بلکہ اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کے لیے جائز رکھے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی جائز رکھ لیا کہ کواکب کی روحوں سے مرادیں مانگی جائیں۔ اُن کی ایسی پرستش کی جائے جیسی خدائے تعالیٰ کی کرنی چاہیئے لیکن قرآن شریف جو ہر یک طور سے توحید اور تہذیب کی راہ کھولتا ہے اُس نے ہرگز روا نہیں رکھا کہ اُس کے ساتھ کسی مخلوق کی پرستش ہو یا اُس کی ربوبیت کی قدرت صرف ناقص اور ناکارہ طور پر تسلیم کریں اور اُس کو ہر یک چیز کا مبدء اور سرچشمہ نہ ٹھہرائیں یا کوئی اور بے شرمی کا کام اپنے طریق معاشرت میں داخل کریں ۔

اب پھر میں ملایک کے ذکر کی طرف عود کر کے کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے جس طرز سے ملایک کا حال بیان کیا ہے وہ نہایت سیدھی اور قریب قیاس راہ ہے اور بجز

اُس کے ماننے کے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا قرآن شریف پر بدیدہ تعمق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان بلکہ جمیع کائنات الارض کی تربیت ظاہری و باطنی کے لیئے بعض وسائط کا ہونا ضروری ہے اور بعض بعض اشارات قرآنیہ سے نہایت صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وہ نفوس طیبہ جو ملایک سے موسوم ہیں۔ اُن کے تعلقات طبقات سماویہ سے الگ الگ ہیں بعض اپنی تاثیرات خاصہ سے ہوا کے چلانے والے اور بعض مینہ کے برسانے والے اور بعض بعض تاثیرات کو زمین پر اُتارنے والے ہیں پس اِس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت نوری و نفوس طیبہ اُن روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہوں گے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں مگر اِس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جیسے زمین کا ہر یک جاندار اپنے اندر جان رکھتا ہے بلکہ ان نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت اپنی نورانیت اور روشنی کے جو روحانی طور پر اُنہیں حاصل ہے روشن ستاروں کے ساتھ ایک مجہول الکنہ تعلق ہے اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر ان نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کر لیا جائے تو پھر اُن کے تمام قویٰ میں فرق پڑ جائے گا اُنہیں نفوس کے پوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور جیسے خدائے تعالیٰ تمام عالم کے لیے بطور جان کے ہے ایسا ہی (مگر اِس جگہ تشبیہ کامل مراد نہیں) وہ نفوس نورانیہ کواکب اور سیارات کے لیے جان کا ہی حکم رکھتے ہیں اور اُن کے جُدا ہو جانے سے ان کی حالت وجودیہ میں بکلّی فساد راہ پا جانا لازمی و ضروری امر ہے اور آج تک کسی نے اِس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمانوں میں سیّارات اور کواکب پائے جاتے ہیں وہ کائنات الارض کی تکمیل و تربیت کے لیے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں۔ غرض یہ نہایت سچی ہوئی اور ثبوت

کے چرخ پر چڑھی ہوئی صداقت ہے کہ تمام نباتات اور جمادات اور حیوانات پر آسمانی کواکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے اور جاہل سے جاہل ایک دہقان بھی اس قدر تو ضرور یقین رکھتا ہوگا کہ چاند کی روشنی پھلوں کے موٹا کرنے کے لیے اور سورج کی دھوپ ان کو پکانے اور شیریں کرنے کے لیے اور بعض ہوائیں بکثرت پھل لانے کے لیے بلاشبہ مؤثر ہیں اب جب کہ ظاہری سلسلہ کائنات کا ان چیزوں کی تاثیرات مختلفہ سے تربیّت پا رہا ہے تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ باطنی سلسلہ پر بھی باذنہ تعالیٰ وہ نفوس نورانیہ اثر کر رہی ہیں۔ جن کا اجرام نورانیہ سے ایسا شدید تعلق ہے کہ جیسے جان کو جسم سے ہوتا ہے۔

اب اس کے بعد یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگرچہ بظاہر یہ بات نہایت دور از ادب معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے مقدّس نبیوں میں افاضہ انوار وحی کے لیے کوئی اور واسطہ تجویز کیا جائے لیکن ذرا غور کرنے سے بخوبی سمجھ آ جائے گا کہ اس میں کوئی سوءِ ادب کی بات نہیں بلکہ سراسر خدا تعالیٰ کے اُس عام قانون قدرت کے مطابق ہے جو دنیا کی ہر ایک چیز کے متعلق کھُلے کھُلے طور پر مشہود و محسوس ہو رہا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی اپنے ظاہری جسم اور ظاہری قویٰ کے لحاظ سے ان ہی وسائط کے محتاج ہیں اور نبی کی آنکھ بھی گو کیسی ہی نورانی اور بابرکت آنکھ ہے مگر پھر بھی عوام کی آنکھوں کی طرح آفتاب یا اس کے کسی دوسرے قائم مقام کے بغیر کچھ دیکھ نہیں سکتے اور بغیر توسط ہوا کے کچھ سُن نہیں سکتے۔ لہذا یہ بات بھی ضروری طور پر ماننی پڑتی ہے کہ نبی کی روحانیت پر بھی ان سیّارات کے نفوس نورانیہ کا ضرور اثر پڑتا ہوگا بلکہ سب سے زیادہ اثر پڑتا ہوگا۔ کیونکہ جس قدر استعداد صافی اور کامل ہوتی ہے اُسی

قدر اثر بھی صافی اور کامل طور پر پڑتا ہے قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہ سیّارات اور کواکب (اپنے اپنے قالبوں کے موافق) ایک ایک روح رکھتے ہیں جن کو نفوس کواکب سے بھی نامزد کر سکتے ہیں اور جیسے کواکب اور سیّاروں میں باعتبار اُن کے قالبوں کے طرح طرح کے خواص پائے جاتے ہیں جو زمین کی ہر یک چیز پر حسبِ استعداد اثر ڈال رہے ہیں ایسا ہی اُن کے نفوس نورانیہ میں بھی انواع اقسام کے خواص ہیں جو باذن حکیم مطلق کائنات الارض کے باطن پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور یہی نفوس نُورانیہ کامل بندوں پر بشکل جسمانی متشکل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بشری صورت سے متمثل ہو کر دکھائی دیتے ہیں اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تقریر از قبیل خطابیات نہیں بلکہ یہ وہ صداقت ہے جو طالب حق اور حکمت کو ضرور ماننی پڑے گی کیونکہ جب ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ضرور کائنات الارض کی تربیّت اجرام سماویہ کی طرف سے ہو رہی ہے اور جہاں تک ہم بطور استقراء اجسام ارضیہ پر نظر ڈالتے ہیں اس تربیّت کے آثار ہر یک جسم پر خواہ وہ نباتات میں سے ہے خواہ جمادات میں سے خواہ حیوانات میں سے ہے بدیہی طور پر ہمیں دکھائی دیتے ہیں پس اس صریح تجربہ کے ذریعہ سے ہم اس بات کے ماننے کے لیے بھی مجبور ہیں کہ روحانی کمالات اور دل اور دماغ کی روشنی کا سلسلہ بھی جہاں تک ترقی کرتا ہے بلاشُبہ اِن نفوس نُورانیہ کا اس میں بھی دخل ہے اسی دخل کی رُو سے شریعت غرّا نے استعارہ کے طور پر اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولوں میں ملایک کا واسطہ ہونا ایک ضروری امر ظاہر فرمایا ہے جس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے گردانا گیا ہے جن لوگوں نے اپنی نہایت مکروہ نادانی سے اس الٰہی فلسفہ کو نہیں سمجھا جیسے آریہ مذہب والے یا برہمو مذہب والے اُنھوں نے جلدی سے بباعث اپنے بے وجہ بخل اور بغض کے جو اُن کے دلوں میں بھرا ہوا ہے

تعلیم فرقانی پر یہ اعتراض جڑ دیا کہ وہ اللہ اور اُس کے رسُولوں میں ملایک کا واسطہ ضروری ٹھہراتا ہے اور اس بات کو نہ سمجھا اور نہ خیال کیا کہ خدائے تعالیٰ کا عام قانون تربیت جو زمین پر پایا جاتا ہے اسی قاعدہ پر مبنی ہے ہندوؤں کے رشی جن پر بقول ہندوؤں کے چاروں وید نازل ہوئے کیا وہ اپنے جسمانی قویٰ کے ٹھیک ٹھیک طور پر قائم رہنے میں تاثیرات اجرام سماویہ کے محتاج نہیں کیا وہ بغیر آفتاب کی روشنی کے صرف آنکھوں کی روشنی سے دیکھنے کا کام لے سکتے تھے یا بغیر ہوا کے ذریعہ کے کسی آواز کو سُن سکتے تھے تو اس کا جواب بدیہی طور پر یہی ہوگا کہ ہرگز نہیں بلکہ وہ بھی اجرام سماویہ کی تربیت اور تکمیل کے بہت محتاج تھے ہندوؤں کے ویدوں نے ان ملایک کے بارے میں کہاں انکار کیا ہے بلکہ انہوں نے تو ان وسائط کے ماننے اور قابل قدر جاننے میں بہت ہی غلوّ کیا ہے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ کے درجہ سے اُن کا درجہ برابر ٹھہرا دیا ہے ایک رگ وید پر ہی نظر ڈال کر دیکھو کہ کس قدر اُس میں اجرام سماویہ اور عناصر کی پرستش موجود ہے اور کیسی اُن کی استت اور مہما اور مدح اور ثنا میں ورقوں کے ورق سیاہ کر دیے ہیں اور کس عاجزی اور گڑگڑانے سے اُن سے دُعائیں مانگی گئی ہیں جو قبول بھی نہیں ہوئیں مگر شریعت فرقانی نے تو ایسا نہیں کیا بلکہ ان نفوس نورانیہ کو جو اجرام سماویہ سے یا عناصر یا دخانات سے ایسا تعلق رکھتے ہیں جیسے جان کا جسم سے تعلق ہوتا ہے صرف ملایک یا جنّات کے نام سے موسوم کیا ہے اور اُن نورانی فرشتوں کو جو نورانی ستاروں اور سیّاروں پر اپنا مقام رکھتے ہیں اپنی ذات پاک میں اور اپنے رسولوں میں ایسے طور کا واسطہ نہیں ٹھہرایا جس کی رُو سے اُن فرشتوں کو با اقتدار یا با اختیار مان لیا جاوے بلکہ اُن کو اپنی نسبت ایسا ظاہر فرمایا ہے کہ جیسے ایک بے جان چیز ایک زندہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے جس سے وہ

زندہ جس طور سے کام لینا چاہتا ہے لیتا ہے اسی بنا پر بعض مقامات قرآن شریف میں اجسام کے ہر یک ذرّہ پر بھی ملایک کا نام اطلاق کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ سب ذرات اپنے رب کریم کی آواز سُنتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم دیا گیا ہو مثلاً جو کچھ تغیرات بدن انسان میں مرض کی طرف یا صحت کی طرف ہوتے ہیں اُن تمام مواد کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق آگے پیچھے قدم رکھتا ہے۔

اب ذرا آنکھ کھول کر دیکھ لینا چاہیے کہ اس قسم کے وسائط کے ماننے میں جو قرآن شریف میں قرار دیئے گئے ہیں کون سا شرک لازم آتا ہے اور خدا تعالیٰ کی شان قدرت میں کون سا فرق آجاتا ہے بلکہ یہ تو اسرار معرفت و دقایق حکمت کی وہ باتیں ہیں جو قانون قدرت کے صفحہ صفحہ میں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں اور بغیر اس انتظام کے ماننے کے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ ثابت ہی نہیں ہوسکتی اور نہ اُس کی خدائی چل سکتی ہے بھلا جب تک ذرّہ ذرّہ اس کا فرشتہ بن کر اُس کی اطاعت میں نہ لگا ہوا ہو تب تک یہ سارا کارخانہ اس کی مرضی کے موافق کیونکر چل سکتا ہے کوئی ہمیں سمجھائے تو سہی۔ اور نیز اگر ملایک سماویہ کے نظام روحانی سے خدا تعالیٰ کی قادرانہ شان پر کچھ دھبّہ لگ سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں ملایک کے نظام جسمانی کے ماننے سے جو نظام روحانی کا بعینہٖ ہمرنگ و ہمشکل ہے خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کوئی دھبّہ نہیں لگ سکتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آریہ وغیرہ ہمارے مخالفوں نے فرط نابینائی سے ایسے ایسے بے جا اعتراضات کر دیئے ہیں جن کی اصل بناء بہت سے مشرکانہ حواشی کے ساتھ اُن کے گھر میں بھی موجود ہے اور ناحق بوجہ اپنی بے بصیرتی کے ایک عمدہ صداقت کو بطالت کی شکل میں سمجھ لیا ہے۔

چشم بداندیش کہ برکندہ باد ٭ عیب نماید ہنرش در نظر

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی شریعت کے رُو سے خواص ملایک کا درجہ خواص بشر سے کچھ زیادہ نہیں بلکہ خواص الناس خواص الملایک سے افضل ہیں اور نظام جسمانی یا نظام روحانی میں اُن کا وسائط قرار پانا ان کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ قرآن شریف کی ہدایت کے رو سے وہ خدام کی طرح اس کام میں لگائے گئے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ وسخّر لکم الشمس والقمر یعنی وہ خدا جس نے سورج اور چاند کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے مثلاً دیکھنا چاہیے کہ ایک چھٹی رساں ایک شاہ وقت کی طرف سے اس کے کسی مُلک کے صوبہ کے گورنر کی خدمت میں چھٹیاں پہنچا دیتا ہے تو کیا اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ چھٹی رساں جو اُس بادشاہ اور گورنر جنرل میں واسطہ ہے گورنر جنرل سے افضل ہے سو خوب سمجھ لو یہی مثال اُن وسائط کی ہے جو نظام جسمانی اور روحانی میں قادر مطلق کے ارادوں کو زمین پر پہنچاتے اور ان کی انجام دہی میں مصروف ہیں اللہ جل شانہٗ قرآن شریف کے کئی مقامات میں تصریح ظاہر فرماتا ہے کہ جو کچھ زمین و آسمان میں پیدا کیا گیا ہے وہ تمام چیزیں اپنے وجود میں انسان کی طفیلی ہیں یعنی محض انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور انسان اپنے مرتبہ میں سب سے اعلیٰ وارفع اور سب کا مخدوم ہے جس کی خدمت میں یہ چیزیں لگا دی گئی ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

وسخّر لکم الشمس والقمر دائبین وسخّر لکم اللّیل والنہار و اتاکم من کل ما سالتموہ وان تعدّوا نعمت اللہ لا تحصوھا۔ ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔

اور مسخّر کیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو جو ہمیشہ پھرنے والے ہیں یعنی جو باعتبار اپنی

کیفیات اور خاصیات کے ایک حالت پر نہیں رہتے مثلاً جو ربیع کے مہینوں میں آفتاب کی خاصیت ہوتی ہے وہ خزاں کے مہینوں میں ہرگز نہیں ہوتی پس اس طور سے سُورج اور چاند ہمیشہ پھرتے رہتے ہیں کبھی اُن کی گردش سے بہار کا موسم آجاتا ہے اور کبھی خزاں کا اور کبھی ایک خاص قسم کی خاصیتیں اُن سے ظہور پذیر ہوتی ہیں اور کبھی اس کے مخالف خواص ظاہر ہوتے ہیں پھر آگے فرمایا کہ مسخر کیا تمہارے لیے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر ایک چیز میں سے وہ تمام سامان جس کو تمہاری فطرتوں نے مانگا یعنی ان سب چیزوں کو دیا جن کے تم محتاج تھے اور اگر تم خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکو گے وہ وہی خدا ہے جس نے جو کچھ زمین پر ہے تمہارے فائدہ کے لیے پیدا کیا ہے اور پھر ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم یعنی انسان کو ہم نے نہایت درجہ کے اعتدال پر پیدا کیا ہے اور وہ اس صفت اعتدال میں تمام مخلوقات سے احسن وافضل ہے اور پھر ایک اور مقام میں فرماتا ہے کہ اِنّا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولاً۔ یعنی ہم نے اپنی امانت کو جس سے مراد عشق ومحبت الٰہی اور موردِ ابتلا ہو کر پھر پوری اطاعت کرنا ہے آسمان کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا جو بظاہر قوی ہیکل چیزیں تھیں سو ان سب چیزوں نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کی عظمت کو دیکھ کر ڈر گئیں مگر انسان نے اُس کو اٹھا لیا کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں ایک یہ کہ وہ خدائے تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا۔ دوسری یہ خوبی کہ وہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ

تک پہنچ سکتا تھا جو غیر اللہ کو بکلی فراموش کر دے پھر ایک اور جگہ فرمایا واذ قال ربک للملئکۃ انی خالق بشراً من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین۔ فسجد الملئکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس۔ یعنی یاد کر وہ وقت کہ جب تیرے خدا نے (جس کا تو مظہر اتم ہے) فرشتوں کو کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اس کو کمال اعتدال پر پیدا کر لوں اور اپنی رُوح میں سے اُس میں پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گرو یعنی کمال انکسار سے اُس کی خدمت میں مشغول ہو جاؤ اور ایسی خدمت گزاری میں جُھک جاؤ کہ گویا تم اُسے سجدہ کر رہے ہو پس سارے کے سارے فرشتے انسان مکمل کے آگے سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان جو اس سعادت سے محروم رہ گیا۔ جاننا چاہیے کہ یہ سجدہ کا حکم اُس وقت سے متعلق نہیں ہے کہ جب حضرت آدمؑ پیدا کیے گئے بلکہ یہ علیحدہ ملائک کو حکم کیا گیا کہ جب کوئی انسان اپنی حقیقی انسانیت کے مرتبہ تک پہنچے اور اعتدال انسانی اُس کو حاصل ہو جائے اور خدائے تعالیٰ کی روح اُس میں سکونت اختیار کرے تو تم اس کامل کے آگے سجدہ میں گرا کرو یعنی آسمانی انوار کے ساتھ اُس پر اُترو اور اُس پر صلوٰۃ بھیجو سو یہ اُس قدیم قانون کی طرف اشارہ ہے جو خدائے تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھتا ہے جب کوئی شخص کسی زمانہ میں اعتدال روحانی حاصل کر لیتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی رُوح اُس کے اندر آباد ہوتی ہے یعنی اپنے نفس سے فانی ہو کر بقا باللہ کا درجہ حاصل کرتا ہے تو ایک خاص طور پر نزول ملائکہ کا اُس پر شروع ہو جاتا ہے اگرچہ سلوک کی ابتدائی حالات میں بھی ملائک اُس کی نصرت اور خدمت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں لیکن یہ نزول ایسا اتم اور اکمل

ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم رکھتا ہے اور سجدہ کے لفظ سے خدائے تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ ملایکہ انسان کامل سے افضل نہیں ہیں بلکہ وہ شاہی خادموں کی طرح سجدات تعظیم انسان کامل کے آگے بجا لا رہے ہیں ایسا ہی خدائے تعالیٰ نے سورۃ الشمس میں نہایت لطیف اشارات و استعارات میں انسان کامل کے مرتبہ کو زمین آسمان کے تمام باشندوں سے اعلیٰ و برتر بیان فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے والشمس وضحاھا والقمر اذا تلٰھا والنھار اذا جلّٰھا واللیل اذا یغشٰھا والسماء وما بناھا والارض وما طحٰھا ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا کذبت ثمود بطغوٰھا اذ انبعث اشقٰھا فقال لھم رسول اللّٰہ ناقۃ اللّٰہ وسقیٰھا فکذبوہ فعقروھا فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوّٰھا ولا یخاف عقبٰھا یعنی قسم ہے سُورج کی اور اُس کی دُھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جب وہ سُورج کی پیروی کرے اور قسم ہے دن کی جب اپنی روشنی کو ظاہر کرے اور قسم ہے اس رات کی جو بالکل تاریک ہو اور قسم ہے زمین کی اور اُس کی جس نے اُسے بچھایا اور قسم ہے انسان کے نفس کی اور اس کی جس نے اسے اعتدال کامل اور وضع استقامت کے جمیع کمالات متفرقہ عنایت کیئے اور کسی کمال سے محروم نہ رکھا بلکہ سب کمالات متفرقہ جو پہلی قسموں کے نیچے ذکر کیے گئے ہیں اُس میں جمع کر دیئے اِس طرح پر کہ انسان کامل کا نفس آفتاب اور اُس کی دُھوپ کا بھی کمال اپنے اندر رکھتا ہے اور چاند کے خواص بھی اُس میں پائے جاتے ہیں کہ وہ اکتسابِ فیض دوسرے سے کر سکتا ہے اور ایک نور سے بطور استفادہ اپنے اندر بھی نور لے سکتا ہے اور اُس میں روز روشن کے بھی خواص موجود ہیں کہ جیسے محنت اور مزدوری کرنے والے لوگ دن کی روشنی

میں کما حقہ اپنے کاروبار کو انجام دے سکتے ہیں ایسا ہی حق کے طالب اور سلوک کی راہوں کو اختیار کرنے والے انسان کامل کے نمونہ پر چل کر بہت آسانی اور صفائی سے اپنی مہمّات دینیہ کو انجام دیتے ہیں سو وہ دن کی طرح اپنے تئیں بکمال صفائی ظاہر کرسکتا ہے اور ساری خاصیتیں دن کی اپنے اندر رکھتا ہے ۔ اندھیری رات سے بھی انسان کامل کو ایک مشابہت ہے کہ وہ باوجود غایت درجہ کے انقطاع اور تبتل کے جو اُس کو منجانب اللہ حاصل ہے بحکمت و مصلحت الٰہی اپنے نفس کی ظلمانی خواہشوں کی طرف بھی کبھی کبھی متوجہ ہو جاتا ہے یعنی جو جو نفس کے حقوق انسان پر رکھے گئے ہیں جو بظاہر نورانیت کے مخالف اور مزاحم معلوم ہوتے ہیں جیسے کھانا پینا سونا اور بیوی کے حقوق ادا کرنا یا بچوں کی طرف التفات کرنا یہ سب حقوق بجا لاتا ہے اور کچھ تھوڑی دیر کے لیے اِس تاریکی کو اپنے لیے پسند کرلیتا ہے نہ اِس وجہ سے کہ اُس کو حقیقی طور پر تاریکی کی طرف میلان ہے بلکہ اِس وجہ سے کہ خود خداوند علیم و حکیم اُس کو اِس طرف توجہ بخشتا ہے تا روحانی تعب و مشقت سے کسی قدر آرام پا کر پھر اُن مجاہدات شاقہ کے اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے جیسا کہ کسی کا شعر ہے ۔

چشم شہباز کاروانان شکار از بہر کشادن ست گر دوختہ اند

سو اسی طرح یہ کامل لوگ جب غایت درجہ کی کوفت خاطر اور گدازش اور ہم و غم کے غلبہ کے وقت کسی قدر حظوظ نفسانیہ سے تمتع حاصل کر لیتے ہیں تو پھر جسم ناتوان ان کا رُوح کی رفاقت کے لیے از سرِ نو قوی اور توانا ہو جاتا ہے اور اِس تھوڑی سی مجوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے مراحل نورانی طے کر جاتا ہے اور ماسوا اِس کے نفس انسان میں رات کے اور دوسرے خواص دقیقہ بھی پائے جاتے ہیں جن کو علم ہیئت اور نجوم اور طبعی

کی باریک نظر نے دریافت کیا ہے ایسا ہی انسان کامل کے نفس کو آسمان سے بھی مشابہت ہے مثلاً جیسے آسمان کا پول اِس قدر وسیع اور کشادہ ہے کہ کسی چیز سے پُر نہیں ہو سکتا ایسا ہی اُن بزرگوں کا نفس ناطقہ غایت درجہ کی وسعتیں اپنے اندر رکھتا ہے اور باوجود ہزار ہا معارف وحقائق کے حاصل کرنے کے پھر بھی ما عرفناك کا نعرہ مارتا ہی رہتا ہے اور جیسے آسمان کا پول روشن ستاروں سے پُر ہے ایسا ہی نہایت روشن قُویٰ اُس میں بھی رکھے گئے ہیں کہ جو آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں ایسا ہی انسان کامل کے نفس کو زمین سے بھی کامل مشابہت ہے یعنی جیسا کہ عمدہ اور اوّل درجہ کی زمین یہ خاصیت رکھتی ہے کہ جب اُس میں تخم ریزی کی جائے اور پھر خوب قلبہ رانی اور آب پاشی ہو اور تمام مراتب محنت کشاورزی کے اُس پر پورے کر دیے جائیں تو وہ دوسری زمینوں کی نسبت ہزار گونہ زیادہ پھل لاتی ہے اور نیز اس کا پھل بہ نسبت اور پھلوں کے نہایت لطیف اور شیریں ولذیذ اور اپنی کمیت وکیفیت میں انتہائی درجہ تک بڑھا ہوا ہوتا ہے اسی طرح انسان کامل کے نفس کا حال ہے کہ احکام الٰہی کی تخم ریزی سے عجیب سرسبزی لے کر اُس کے اعمال صالحہ کے پودے نکلتے ہیں اور ایسے عمدہ اور غایت درجہ کے لذیذ اُس کے پھل ہوتے ہیں کہ ہر یک دیکھنے والے کو خدائے تعالیٰ کی پاک قدرت یاد آ کر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا پڑتا ہے سو یہ آیت ونفس وما سوّاھا صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ انسان کامل اپنے معنے اور کیفیت کے رو سے ایک عالم ہے اور عالم کبیر کے تمام شیون وصفات وخواص اجمالی طور پر اپنے اندر جمع رکھتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے شمس کی صفات سے شروع کر کے زمین تک جو ہماری سکونت کی جگہ ہے سب چیزوں کے خواص اشارہ کے طور پر بیان فرمائے یعنی بطور قسموں کے اُن کا ذکر کیا بعد اس کے انسان

کامل کے نفس کا ذکر فرمایا تا معلوم ہو کہ انسان کامل کا نفس اُن تمام کمالات متفرقہ کا جامع ہے جو پہلی چیزوں میں جن کی قسمیں کھائی گئیں الگ الگ طور پر پائے جاتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ نے ان اپنی مخلوق چیزوں کے جو اُس کے وجود کے مقابل پر بے بنیاد و ہیچ ہیں کیوں قسمیں کھائیں تو اِس کا جواب یہ ہے کہ تمام قرآن شریف میں یہ ایک عام عادت و سُنت الٰہی ہے کہ وہ بعض نظری امور کے اثبات و احقاق کے لیے ایسے امور کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے خواص کا عام طور پر بیّن اور کھُلا کھُلا اور بدیہی ثبوت رکھتے ہیں جیسا کہ اِس میں کسی کو بھی شک نہیں ہو سکتا کہ سُورج موجود ہے اور اُس کی دھوپ بھی ہے اور چاند موجود ہے اور وہ نُور آفتاب سے حاصل کرتا ہے اور روز روشن بھی سب کو نظر آتا ہے اور رات بھی سب کو دکھائی دیتی ہے اور آسمان کا پول بھی سب کی نظر کے سامنے ہے اور زمین تو خود انسانوں کی سکونت کی جگہ ہے اب چونکہ یہ تمام چیزیں اپنا اپنا کھُلا کھُلا وجود اور کھُلے کھُلے خواص رکھتی ہیں جن میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور نفس انسان کا ایسی چھپی ہوئی اور نظری چیز ہے کہ خود اُس کے وجود میں صدہا جھگڑے برپا ہو رہے ہیں بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ وہ اِس بات کو مانتے ہی نہیں کہ نفس یعنی رُوح انسان بھی کوئی مستقل اور قائم بالذات چیز ہے جو بدن کی مفارقت کے بعد ہمیشہ کے لیے قائم رہ سکتی ہے اور جو بعض لوگ نفس کے وجود اور اُس کی بقاء اور ثبات کے قائل ہیں وہ بھی اُس کی باطنی استعدادات کا وہ قدر نہیں کرتے جو کرنا چاہیے تھا بلکہ بعض تو اتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم صرف اسی غرض کے لیے دُنیا میں آئے ہیں کہ حیوانات کی طرح کھانے پینے اور حظوظ نفسانی میں عمر بسر کریں وہ اِس بات کو جانتے بھی نہیں کہ نفس انسانی کس قدر اعلیٰ درجہ کی طاقتیں اور قوّتیں اپنے

اندر رکھتا ہے اور اگر وہ کسب کمالات کی طرف متوجہ ہو تو کیسے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام عالم کے متفرق کمالات وفضائل وانواع پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو سکتا ہے سو اللہ جل شانہ' نے اِس سورہ مُبارکہ میں نفس انسان اور پھر اُس کے بے نہایت خواص فاضلہ کا ثبوت دینا چاہا ہے پس اوّل اُس نے خیالات کو رجوع دلانے کے لیے شمس اور قمر وغیرہ چیزوں کے متفرق خواص بیان کر کے پھر نفس انسان کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ جامع اُن تمام کمالات متفرقہ کا ہے اور جس حالت میں نفس انسان میں ایسے اعلیٰ درجہ کے کمالات و خاصیات بتمامہا موجود ہیں جو اجرام سماویہ اور ارضیہ میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں تو کمال درجہ کی نادانی ہوگی کہ ایسے عظیم الشّان اور مستجمع کمالات متفرقہ کی نسبت یہ وہم کیا جائے کہ وہ کچھ بھی چیز نہیں جو موت کے بعد باقی رہ سکے یعنی جب کہ یہ تمام خواص جو ان مشہود و محسوس چیزوں میں ہیں جن کا مستقل وجود ماننے میں تمہیں کچھ کلام نہیں یہاں تک کہ ایک اندھا بھی دھوپ کا احساس کر کے آفتاب کے وجود کا یقین رکھتا ہے نفس انسان میں سب کے سب یکجائی طور پر موجود ہیں تو نفس کے مستقل اور قائم بالذات وجود میں تمہیں کیا کلام باقی ہے کیا ممکن ہے کہ جو چیز اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں وہ تمام موجود بالذات چیزوں کے خواص جمع رکھتی ہو اور اس جگہ قسم کھانے کی طرز کو اس وجہ سے اللہ جل شانہ' نے پسند کیا ہے کہ قسم قائم مقام شہادت کے ہوتی ہے اسی وجہ سے حکام مجازی بھی جب دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو قسم پر انحصار کر دیتے ہیں اور ایک مرتبہ کی قسم سے وہ فائدہ اٹھا لیتے ہیں جو کم سے کم دو گواہوں سے اٹھا سکتے ہیں سو چونکہ عقلاً و عرفاً و قانوناً و شرعاً قسم شاہد کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے لہذا اسی بناء پر خدائے تعالیٰ نے اس جگہ شاہد کے طور

پر اُس کو قرار دے دیا ہے پس خدائے تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم ہے سورج کی اور اُس کی دُھوپ کی درحقیقت اپنے مرادی معنی یہ رکھتا ہے کہ سُورج اور اس کی دھوپ یہ دونوں نفس انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونے کے شاہد حال ہیں کیونکہ سورج میں جو جو خواص گرمی اور روشنی وغیرہ پائے جاتے ہیں یہی خواص معہ شیٔ زائد انسان کے نفس میں بھی موجود ہیں مکاشفات کی روشنی اور توجہ کی گرمی جو نفوس کاملہ میں پائی جاتی ہے اُس کے عجائبات سورج کی گرمی اور روشنی سے کہیں بڑھ کر ہیں سو جب کہ سورج موجود بالذات ہے تو جو خواص میں اس کا ہم مثل اور ہم پلّہ ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یعنی نفس انسان وہ کیونکر موجود بالذات نہ ہوگا اسی طرح خدائے تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کی پیروی کرے اِس کے مرادی معنی یہ ہیں کہ چاند اپنی اس خاصیّت کے ساتھ کہ وہ سورج سے بطورِ استفادہ نور حاصل کرتا ہے۔ نفس انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونے پر شاہد حال ہے کیونکہ جس طرح چاند سُورج سے اکتساب نور کرتا ہے اسی طرح نفس انسان کا جو مستعد اور طالب حق ہے ایک دوسرے انسان کامل کی پیروی کرکے اِس کے نور میں سے لے لیتا ہے اور اُس کے باطنی فیض سے فیضیاب ہو جاتا ہے بلکہ چاند سے بڑھ کر استفادہ نور کرتا ہے کیونکہ چاند تو نور کو حاصل کرکے پھر چھوڑ بھی دیتا ہے مگر یہ کبھی نہیں چھوڑتا پس جب کہ استفادہ نور میں یہ چاند کا شریک غالب ہے اور دوسری تمام صفات اور خواص چاند کے اپنے اندر رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ چاند کو تو موجود بالذات اور قائم بالذات مانا جائے مگر نفس انسان کے مستقل طور پر موجود ہونے سے بکلی انکار کر دیا جائے غرض اسی طرح خدائے تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو جن کا ذکر نفس انسان سے پہلے قسم کھا کر کیا گیا ہے اپنے خواص کے رو

سے شواہد اور ناطق گواہ قرار دے کر اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نفس انسان واقعی طور پر موجود ہے اور اسی طرح ہر یک جگہ جو قرآن شریف میں بعض بعض چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں اُن قسموں سے ہر جگہ یہی مدعا اور مقصد ہے کہ تا امر بدیہہ کو اسرار مخفیہ کے لیے جو اُن کے ہمرنگ ہیں بطور شواہد کے پیش کیا جائے لیکن اس جگہ یہ سوال ہوگا۔ کہ جو نفس انسان کے موجود بالذات ہونے کے لیے قسموں کے پیرایہ میں شواہد پیش کیے گئے ہیں اُن شواہد کے خواص بدیہی طور پر نفس انسان میں کہاں پائے جاتے ہیں اور اس کا ثبوت کیا ہے کہ پائے جاتے ہیں اس وہم کے رفع کرنے کے لیے اللہ جل شانہٗ اس کے بعد فرماتا ہے فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا یعنی خدائے تعالیٰ نے نفس انسان کو پیدا کر کے ظلمت اور نورانیت اور ویرانی اور سرسبزی کی دونوں راہیں اُس کے لیے کھول دی ہیں جو شخص ظلمت اور فجور یعنی بدکاری کی راہیں اختیار کرے تو اُس کو اُن راہوں میں ترقی کے کمال درجہ تک پہنچایا جاتا ہے یہاں تک کہ اندھیری رات سے اُس کی سخت مشابہت ہو جاتی ہے اور بجز معصیت اور بدکاری اور پُرظلمت خیالات کے اور کسی چیز میں اس کو مزہ نہیں آتا ایسے ہی ہم صحبت اُس کو اچھے معلوم ہوتے ہیں اور ایسے ہی شغل اُس کے جی کو خوش کرتے ہیں اور اُس کی بدطبیعت کے مناسب حال بدکاری کے الہامات اُس کو ہوتے رہتے ہیں یعنی ہر وقت بدچلنی اور بدمعاشی کے ہی خیالات اُس کو سوجھتے ہیں کبھی اچھے خیالات اُس کے دل میں پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر پرہیزگاری کا نورانی راستہ اختیار کرتا ہے تو اس نور کو مدد دینے والے الہام اُس کو ہوتے رہتے ہیں یعنی خدائے تعالیٰ اُس کے دلی نور کو جو تخم کی طرح اُس کے دل میں موجود ہے اپنے الہامات خاصہ

سے کمال تک پہنچا دیتا ہے اور اُس کے روشن مکاشفات کی آگ کو افروختہ کر دیتا ہے تب وہ اپنے چمکتے ہوئے نور کو دیکھ کر اور اُس کے افاضہ اور استفاضہ کی خاصیت کو آزما کر پورے یقین سے سمجھ لیتا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب کی نورانیت مجھ میں بھی موجود ہے اور آسمان کے وسیع اور بلند اور پُر کواکب ہونے کے موافق میرے سینہ میں بھی انشراح صدر اور عالی ہمتی اور دل اور دماغ میں ذخیرہ روشن قویٰ کا موجود ہے جو ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں تب اُسے اِس بات کے سمجھنے کے لیے اور کسی خارجی ثبوت کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اُس کے اندر سے ہی ایک کامل ثبوت کا چشمہ ہر وقت جوش مارتا ہے اور اُس کے پیاسے دل کو سیراب کرتا رہتا ہے اور اگر یہ سوال پیش ہو کہ سلوک کے طور پر کیونکر ان نفسانی خواص کا مشاہدہ ہو سکے تو اس کے جواب میں اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا یعنی جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور بکلّی رذیل اور اخلاقِ ذمیمہ سے دست بردار ہو کر خدائے تعالیٰ کے حکموں کے نیچے اپنے تئیں ڈال دیا وُہ اُس مراد کو پہنچے گا اور اپنا نفس اُس کو عالم صغیر کی طرح کمالات متفرقہ کا مجمع نظر آئے گا لیکن جس شخص نے اپنے نفس کو پاک نہیں کیا بلکہ بے جا خواہشوں کے اندر گاڑ دیا وہ اُس مطلب کے پانے سے نامراد رہے گا ماحصل اِس تقریر کا یہ ہے کہ بلاشُبہ نفس انسان میں وہ متفرق کمالات موجود ہیں جو تمام عالم میں پائے جاتے ہیں اور اُن پر یقین لانے کے لیے یہ ایک سیدھی راہ ہے کہ انسان حسب منشائے قانونِ الٰہی تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہو کیونکہ تزکیہ نفس کی حالت میں نہ صرف علم الیقین بلکہ حق الیقین کے طور پر ان کمالات مخفیہ کی سچائی کھل جائے گی پھر بعد اِس کے اللہ جل شانہٗ ایک مثال کے طور پر ثمود کی قوم کا ذکر کرکے فرماتا

ہے کہ انہوں نے بباعث اپنی جبلی سرکشی کے اپنے وقت کے نبی کو جھٹلایا اور اُس تکذیب کے لیے ایک بڑا بدبخت اُن میں سے پیش قدم ہوا اُس وقت کے رسول نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا کہ ناقۃ اللہ یعنی خدائے تعالیٰ کی اُونٹنی اور اُس کے پانی پینے کی جگہ کا تعرض مت کرو مگر انہوں نے نہ مانا اور اُونٹنی کے پاؤں کاٹے سو اِس جُرم کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر موت کی مار ڈالی اور اُنہیں خاک سے ملادیا اور خدائے تعالیٰ نے اِس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ اُن کے مرنے کے بعد اُن کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچّوں اور بیکس عیال کا کیا حال ہوگا یہ ایک نہایت لطیف مثال ہے جو خدائے تعالیٰ نے انسان کے نفس کو ناقۃ اللہ سے مشابہت دینے کے لیے اِس جگہ لکھی ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس بھی درحقیقت اسی غرض کے لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تا وہ ناقۃ اللہ کا کام دیوے اُس کی فنا فی اللہ ہونے کی حالت میں خدائے تعالیٰ اپنی پاک تجلی کے ساتھ اُس پر سوار ہو جیسے کوئی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے سو نفس پرست لوگوں کو جو حق سے منہ پھیر رہے ہیں تہدید اور انذار کے طور پر فرمایا کہ تم لوگ بھی قوم ثمود کی طرح ناقۃ اللہ کا سقیا یعنی اُس کے پانی پینے کی جگہ جو یادالٰہی اور معارف الٰہی کا چشمہ ہے جس پر اِس ناقہ کی زندگی موقوف ہے اُس پر بند کر رہے ہو اور نہ صرف بند بلکہ اُس کے پَیر کاٹنے کی فکر میں ہو تا وہ خدائے تعالیٰ کی راہوں پر چلنے سے بالکل رہ جائے سو اگر تم اپنی خیر مانگتے ہو تو وہ زندگی کا پانی بند مت کرو اور اپنی بے جا خواہشوں کے تیرو تبر سے اُس کے پَیر مت کاٹو اور اگر تم ایسا کرو گے اور وہ ناقہ جو خدائے تعالیٰ کی سواری کے لیے تم کو دی گئی ہے مجروح ہوکر مرجائے گی تو تم بالکل نکمّے اور خشک لکڑی کی طرح متصوّر ہوکر کاٹ دیے جاؤ گے اور پھر آگ میں ڈالے جاؤ گے اور تمہارے مرنے کے بعد خدائے تعالیٰ تمہارے

پس ماندگاں پر ہرگز رحم نہیں کرے گا بلکہ تمہاری معصیت اور بدکاری کا وبال اُن کے بھی آگے آئے گا اور نہ صرف تم اپنے شامت اعمال سے مروگے بلکہ اپنے عیال و اطفال کو بھی اُسی تباہی میں ڈالوگے۔

اِن آیات بیّنات سے صاف صاف ثابت ہوگیا کہ خداوندکریم نے انسان کو سب مخلوقات سے بہتر اور افضل بنایا ہے اور ملایک اور کواکب اور عناصر وغیرہ جو کچھ انسان میں اور خدائے تعالیٰ میں بطور وسائط کے دخیل ہوکر کام کررہے ہیں وہ اُن کا درمیانی واسطہ ہونا اُن کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا اور وہ اپنے درمیانی ہونے کی وجہ سے انسان کو کوئی عزّت نہیں بخشتے۔ بلکہ خود اُن کو عزّت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ایسی شریف مخلوق کی خدمت میں لگائے گئے ہیں سو درحقیقت وہ تمام خادم ہیں نہ مخدوم اور اِس بارے میں حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھا کہا ہے ؎

ابروباد ومہ وخورشید وفلک درکار اند تا تونانے بکف آری بغفلت نخوری
این ہمہ ازبہرتو سرگشتہ وفرمان بردار شرط انصاف نبا شد کہ توفرمان نبری

اور پھر ہم بقیہ تقریر کی طرف عود کرکے کہتے ہیں کہ ملایک اللہ (جیساکہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں ایک ہی درجہ کی عظمت اور بزرگی نہیں رکھتے نہ ایک ہی قسم کا کام انہیں سپُرد ہے بلکہ ہریک فرشتہ علیحدہ علیحدہ کاموں کے انجام دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے) دنیا میں جس قدر تم تغیرات وانقلابات دیکھتے ہو یا جو کچھ ممکن قوۃ سے حیز فعل میں آتا ہے یا جس قدر ارواح واجسام اپنے کمالات مطلوبہ تک پہنچتے ہیں اِن سب پر تاثیرات سماویہ کام کررہی ہیں یا کبھی ایک ہی فرشتہ مختلف طور کی استعدادوں پر مختلف طور کے اثر ڈالتا ہے مثلاً جبریل جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے اور آسمان

کے ایک نہایت روشن نیّر سے تعلق رکھتا ہے اُس کو کئی قسم کی خدمات سپرد ہیں انہی خدمات کے موافق جو اُس کے نیّر سے لی جاتی ہیں سو وہ فرشتہ اگرچہ ہر یک ایسے شخص پر نازل ہوتا ہے جو وحی الٰہی سے مشرف کیا گیا ہو (نزول کی اصل کیفیت جو صرف اثر اندازی کے طور پر ہے نہ واقعی طور پر یاد رکھنی چاہیئے) لیکن اُس کے نزول کی تاثیرات کا دائرہ مختلف استعدادوں اور مختلف ظروف کے لحاظ سے چھوٹی چھوٹی یا بڑی بڑی شکلوں پر تقسیم ہو جاتا ہے نہایت بڑا دائرہ اُس کی روحانی تاثیرات کا وہ دائرہ ہے جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کی وحی سے متعلق ہے اسی وجہ سے جو معارف وحقائق و کمالات حکمت و بلاغت قرآن شریف میں اکمل اور اتم طور پر پائے جاتے ہیں یہ عظیم الشان مرتبہ اور کسی کتاب کو حاصل نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے (جیسا کہ پہلے بھی ہم اِس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں) کہ ہر یک فرشتہ کی تاثیر انسان کے نفس پر دو قسم کی ہوتی ہے اوّل وہ تاثیر جو رحم میں ہونے کی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ مختلف طور کے تخم پر مختلف طور کا اثر ڈالتی ہے پھر دوسری وہ تاثیر جو بعد طیاری وجود کے اُس وجود کی مخفی استعدادوں کو اپنے کمالات ممکنہ تک پہنچانے کے لیے کام کرتی ہے۔ اُس دوسری تاثیر کو جب وہ نبی یا کامل ولی کے متعلق ہو وحی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یوں ہوتا ہے کہ جب ایک مستعد نفس اپنے نور ایمان اور نور محبت کے کمال سے مبدأ فیوض کے ساتھ دوستانہ تعلق پکڑ لیتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی زندگی بخش محبت اُس کی محبت پر پرتوہ انداز ہو جاتی ہے تو اِس حد اور اِس وقت تک جو کچھ انسان کو آگے قدم رکھنے کے لیے مقدور حاصل ہوتا ہے یہ دراصل اُس پنہانی تاثیر کا اثر ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے فرشتہ نے انسان کے رحم میں ہونے کی حالت میں کی ہوتی ہے پھر بعد اِس کے

جب انسان اِس پہلی تاثیر کی کشش سے یہ مرتبہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہی فرشتہ ازسرِنو اپنا اثر نورؔ سے بھرا ہوا اُس پر ڈالتا ہے مگر یہ نہیں کہ اپنی طرف سے بلکہ وہ درمیانی خادم ہونے کی وجہ سے اُس نالی کی طرح جو ایک طرف سے پانی کو کھینچتی اور دوسری طرف اُس پانی کو پہنچا دیتی ہے خدائے تعالیٰ کا نورفیض اپنے اندر کھینچ لیتا ہے یہ ہمیں اُس وقت میں کہ جب انسان بوجہ اقتران محبتین روح القدس کی نالی کے قریب اپنے تئیں رکھ دیتا ہے معاً اُس نالی میں سے فیض وحی اُس کے اندر گر جاتا ہے یا یُوں کہو کہ اس وقت جبریل اپنا نورانی سایہ اُس مستعد دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اُس کے اندر لکھ دیتا ہے تب جیسے اُس فرشتہ کا جو آسمان پر مستقر ہے جبریل نام ہے اس عکسی تصویر کا نام بھی جبریل ہی ہوتا ہے یا مثلاً اُس فرشتہ کا نام رُوح القدس ہے تو عکسی تصویر کا نام بھی رُوح القدس ہی رکھا جاتا ہے سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے اندر گھُس آتا ہے بلکہ اُس کا عکس انسان کے آئینہ قلب میں نمودار ہو جاتا ہے مثلاً جب تم نہایت مصفیٰ آئینہ اپنے مُنہ کے سامنے رکھ دو گے تو موافق دائرہ مقدار اُس آئینہ کے تمہاری شکل کا عکس بلا توقف اُس میں پڑے گا یہ نہیں کہ تمہارا مُنہ اور تمہارا سر گردن سے ٹوٹ کر اور الگ ہو کر آئینہ میں رکھ دیا جائے گا۔ بلکہ اُس جگہ رہے گا جہاں رہنا چاہیئے صرف اُس کا عکس پڑے گا اور عکس بھی ہر ایک جگہ ایک ہی مقدار میں نہیں پڑے گا بلکہ جیسی جیسی وسعت آئینہ قلب کی ہوگی اُسی مقدار کے موافق اثر پڑے گا مثلاً اگر تم اپنا چہرہ آرسی کے شیشہ میں دیکھنا چاہو کہ جو ایک چھوٹا سا شیشہ ایک قسم کی انگشتری میں لگا ہوا ہوتا ہے تو اگرچہ اُس میں بھی تمام چہرہ نظر آئے گا لیکن اگر تم اپنے چہرہ کو ایک بڑے آئینہ میں دیکھنا چاہو جو تمہاری شکل کے پورے انعکاس کے لیے

کافی ہے تو تمہارے تمام نقوش اور اعضا چہرہ کے اپنے اصلی مقدار پر نظر آجائیں گے پس یہی مثال جبریل کی تاثیرات کی ہے ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبہ کے ولی پر بھی جبریل ہی تاثیر وحی کی ڈالتا ہے اور حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بھی وہی جبریل تاثیر وحی کی ڈالتا رہا ہے لیکن ان دونوں وحیوں میں وہی فرق مذکورہ بالا آرسی کے شیشہ اور بڑے آئینہ کا ہے یعنی اگرچہ بظاہر صورت جبریل وہی ہے اور اُس کی تاثیرات بھی وُہی مگر ہر یک جگہ مادہ قابلہ ایک ہی وسعت اور صفائی کی حالت پر نہیں اور یہ جو اِس جگہ میں نے صفائی کا لفظ بھی لکھ دیا تو یہ اِس بات کے اظہار کے لیے ہے کہ جبریلی تاثیرات کا اختلاف صرف کمیت کے ہی متعلق نہیں بلکہ کیفیت کے بھی متعلق ہے یعنی صفائی قلب جو شرط انعکاس ہے تمام افراد ملہمین کے ایک ہی مرتبہ پر کبھی نہیں ہوتے جیسے تم دیکھتے ہو کہ سارے آئینے ایک ہی درجہ کی صفائی ہرگز نہیں رکھتے بعض آئینے ایسے اعلیٰ درجہ کے آبدار اور مصفّٰی ہوتے ہیں کہ پورے طور پر جیسا کہ چاہیے دیکھنے والے کی شکل اُن میں ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض ایسے کثیف اور مکدر اور پُرغبار اور دود آمیز جیسے ہوتے ہیں کہ صاف طور پر اُن میں شکل نظر نہیں آتی بلکہ ایسے بگڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر مثلاً اُن میں دونوں لب نظر آویں تو ناک دکھائی نہیں دیتا اور اگر ناک نظر آگیا تو آنکھیں نظر نہیں آتیں سو یہی حالت دلوں کے آئینہ کی ہے جو نہایت درجہ کا مصفّٰی دل ہے اُس میں مصفا طور پر انعکاس ہوتا ہے اور جو کسی قدر مکدر ہے اُس میں اُسی قدر مکدر دکھائی دیتا ہے اور اکمل اور اتم طور پر یہ صفائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو حاصل ہے ایسی صفائی کسی دوسرے دل کو ہرگز حاصل نہیں اِس جگہ اِس نکتہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ خدائے تعالیٰ

جو علت العلل ہے جس کے وجود کے ساتھ تمام وجودوں کا سلسلہ وابستہ ہے جب وہ کبھی مربیانہ یا قاہرانہ طور پر کوئی جنبش اور حرکت ارادی کسی امر کے پیدا کرنے کے لیے کرتا ہے تو وہ حرکت اگر اتم اور اکمل طور پر ہو تو جمیع موجودات کی حرکت کو مستلزم ہوتی ہے اور اگر بعض شیون کے لحاظ سے یعنی جزی حرکت ہو تو اُسی کے موافق عالم کے بعض اجزا میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ خدائے عزّ وجل کے ساتھ اُس کی تمام مخلوقات اور جمیع عالموں کا جو علاقہ ہے وہ اُس علاقہ سے مشابہ ہے جو جسم کو جان سے ہوتا ہے اور جیسے جسم کے تمام اعضاء روح کے ارادوں کے تابع ہوتے ہیں اور جس طرف روح جھکتی ہے اُسی طرف وہ جھک جاتے ہیں یہی نسبت خدائے تعالیٰ اور اُس کی مخلوقات میں پائی جاتی ہے اگرچہ میں صاحب فصوص کی طرح حضرت واجب الوجود کی نسبت یہ تو نہیں کہتا کہ خلق الاشیاء وہو عینہا. مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ خلق الاشیاء وہو کعینہا ہذا العالم کصرحٍ مُمَرَّدٍ من قواریر وَ ماءُ الطاقتِ العظمیٰ یجری تحتہا ویفعل ما یرید متخیّل فی عیون قاصرۃٍ کانہا ہو یحسبون الشمس والقمر والنجوم موثراتٍ بذاتہا ولا موثر الّا ہو۔

حکیم مطلق نے میرے پر یہ راز سربستہ کھول دیا ہے کہ یہ تمام عالم معہ اپنے جمیع اجزاء کے اُس علت العلل کے کاموں اور ارادوں کی انجام دہی کے لیے بسچ مچ اُس کے اعضاء کی طرح واقع ہے جو خود بخود قائم نہیں بلکہ ہر وقت اس روح اعظم سے قوت پاتا ہے جیسے جسم کی تمام قوتیں جان کی طفیل سے ہی ہوتی ہیں اور یہ عالم جو اُس وجود اعظم کے لیے قائم مقام اعضاء کے ہے بعض چیزیں اُس میں ایسی ہیں کہ گویا اُس کے چہرہ کا نور ہیں جو ظاہری یا باطنی طور پر اُس کے ارادوں کے

موافق روشنی کا کام دیتی ہیں اور بعض ایسی چیزیں ہیں کہ گویا اُس کے ہاتھ ہیں اور
بعض ایسی ہیں کہ گویا اُس کے پَیر ہیں اور بعض اُس کے سانس کی طرح ہیں غرض یہ
مجموعہ عالم خدائے تعالیٰ کے لیے بطور ایک اندام کے واقعہ ہے اور تمام آب و تاب
اُس اندام کی اور ساری زندگی اُس کی اُسی روح اعظم سے ہے جو اُس کی قیوم ہے
اور جو کچھ اُس قیوم کی ذات میں ارادی حرکت پیدا ہوتی ہے وہی حرکت اُس اندام
کے کل اعضاء یا بعض میں جیسا کہ اُس قیوم کی ذات کا تقاضا ہو پیدا ہو جاتی ہے۔
اِس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھلانے کے لیے تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں
کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ بے شمار پَیر اور ہر ایک
عضو اِس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض اور طول رکھتا ہے
اور تندوے کی طرح اُس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک
پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے
لفظوں میں عالم نام ہے جب قیوم عالم کوئی حرکت جزوی یا کُلی کرے گا تو اُس
کی حرکت کے ساتھ اُس کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہوگا اور
وہ اپنے تمام ارادوں کو اُنہیں اعضاء کے ذریعہ سے ظہور میں لائے گا نہ کسی اور طرح
سے پس یہی ایک عام فہم مثال اُس روحانی امر کی ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مخلوقات
کی ہر ایک جزو خدائے تعالیٰ کے ارادوں کی تابع اور اُس کے مقاصد مخفیہ کو اپنے
خادمانہ چہرہ میں ظاہر کر رہی ہے اور کمال درجہ کی اطاعت سے اُس کے ارادوں کی
راہ میں محو ہو رہی ہے اور یہ اطاعت اِس قسم کی ہرگز نہیں ہے جس کی صرف حکومت
اور زبردستی پر بنا ہو بلکہ ہر ایک چیز کو خدائے تعالیٰ کی طرف ایک مقناطیسی کشش پائی

جاتی ہے اور ہر ایک ذرہ ایسا بالطبع اُس کی طرف جُھکا ہوا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک وجود کے متفرق اعضاء اُس وجود کی طرف جُھکے ہوئے ہوتے ہیں پس درحقیقت یہی سچ ہے اور بالکل سچ کہ یہ تمام عالم اُس وجود اعظم کے لیے بطور اعضاء کے واقعہ ہے اور اسی وجہ سے وہ قیوم العالمین کہلاتا ہے کیونکہ جیسی جان اپنے بدن کی قیوم ہوتی ہے ایسا ہی وہ تمام مخلوقات کا قیوم ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نظام عالم کا بالکل بگڑ جاتا۔

ہر یک ارادہ اُس قیوم کا خواہ وہ ظاہری ہے یا باطنی' دینی ہے یا دُنیوی اسی مخلوقات کے توسط سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور کوئی ایسا ارادہ نہیں کہ بغیر ان وسائط کے زمین پر ظاہر ہوتا ہو یہی قدیمی قانون قدرت ہے کہ جو ابتدا سے بندھا ہوا چلا آتا ہے مگر اُن لوگوں کی سمجھ پر سخت تعجّب ہے کہ وہ ظاہری بارش ہونے کے لیے جو بادلوں کے ذریعہ سے زمین پر ہوتی ہے بخارات مائیہ کا توسط ضروری خیال کرتے ہیں اور خود بخود قدرت سے بغیر بادل کے بارش ہو جانا محال سمجھتے ہیں لیکن الہام کی بارش کے لیے جو صاف دلوں پر ہوتی ہے ملایک کے بادلوں کا توسط جو عندالشرع ضروری ہے اُس پر جہالت کی نظر سے ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا خدائے تعالیٰ بغیر ملایک کے توسط کے خود بخود الہام نہیں کر سکتا تھا وہ اِس بات کے قائل ہیں کہ بغیر توسط ہوا کے آواز سُن لینا خلاف قانون قدرت ہے مگر وہ ہوا جو روحانی طور پر خدائے تعالیٰ کی آواز کو ملہموں کے دِلوں تک پُہنچاتی ہے اُس قانونِ قدرت سے غافل ہیں وہ اِس بات کو مانتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں کی بصارت کے لیے آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہے مگر وُہ روحانی آنکھوں کے لیے کسی آسمانی روشنی کی ضرورت پر یقین نہیں رکھتے۔

اب جب کہ یہ قانونِ الٰہی معلوم ہو چُکا کہ یہ عالم اپنے جمیع قویٰ ظاہری و باطنی کے ساتھ حضرت واجب الوجود کے لیے بطور اعضاء کے واقعہ ہے اور ہر ایک چیز اپنے اپنے محل اور موقعہ پر اعضاء ہی کا کام دے رہی ہے اور ہر ایک ارادہ خدائے تعالےٰ کا ان ہی اعضاء کے ذریعہ سے ظہور میں آتا ہے کوئی ارادہ بغیر ان کے توسط کے ظہور میں نہیں آتا تو اب جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کی وحی میں جو پاک دِلوں پر نازل ہوتی ہے جبریل کا تعلق جو شریعتِ اسلام میں ایک ضروری مسئلہ سمجھا گیا اور قبول کیا گیا ہے یہ تعلق بھی اُسی فلسفۂ حقہ پر ہی مبنی ہے جس کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں اِس کی تفصیل یہ ہے کہ حسب قانونِ قدرت مذکورہ بالا یہ امر ضروری ہے کہ وحی کے القا یا بلکہ وحی کے عطا کرنے کے لیے بھی کوئی مخلوق خدائے تعالیٰ کے الہامی اور روحانی ارادہ کو بمنصہ ظہور لانے کے لیے ایک عضو کی طرح بن کر خدمت بجا لاوے جیسا کہ جسمانی ارادوں کے پُورا کرنے کے لیے بجا لا رہے ہیں سو وہ وہی عضو ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جبریل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو بہ تبعیت حرکت اُس وجود اعظم کے سچ مچ ایک عضو کی طرح بلا توقّف حرکت میں آجاتا ہے یعنی جب خدائے تعالیٰ محبّت کرنے والے دل کی طرف محبّت کے ساتھ رجوع کرتا ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ بالا جس کا ابھی بیان ہو چُکا ہے جبریل کو بھی جو سانس کی ہوا یا آنکھ کے نور کی طرح خدائے تعالےٰ سے نسبت رکھتا ہے اُس طرف ساتھ ہی حرکت کرنی پڑتی ہے یا یُوں کہو کہ خدائے تعالےٰ کی جنبش کے ساتھ ہی وہ بھی بلا اختیار و بلا ارادہ اسی طور سے جنبش میں آجاتا ہے کہ جیسا اصل کی جنبش سے سایہ کا ہلنا طبعی طور پر ضروری امر ہے پس جب جبریل نُورِ خدائے تعالیٰ کی کشش اور تحریک اور نفخۂ نُورانیہ سے جنبش میں آجاتا ہے تو معاً اُس کی

ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے نام سے ہی موسوم کرنا چاہیئے محب صادق کے دل میں منقش ہوجاتی ہے اور اُس کی محبت صادقہ کا ایک عرض لازم ٹھہر جاتی ہے تب یہ قوۃ خدائے تعالیٰ کی آواز سُننے کے لیے کان کا فائدہ بخشتی ہے اور اُس کے عجائبات کو دیکھنے کے لیے آنکھوں کی قائم مقام ہوجاتی ہے اور اُس کے الہامات زبان پر جاری ہونے کے لیے ایک ایسی محرک حرارت کا کام دیتی ہے جو زبان کے پہیّہ کو زور کے ساتھ الہامی خط پر چلاتی ہے اور جب تک یہ قوت پیدا نہ ہو اُس وقت تک انسان کا دل اندھے کی طرح ہوتا ہے اور زبان اُس ریل کی گاڑی کی طرح ہوتی ہے جو چلنے والے انجن سے الگ پڑی ہو لیکن یاد رہے کہ یہ قوّت جو روح القدس سے موسوم ہے ہر یک دل میں یکساں اور برابر پیدا نہیں ہوتی بلکہ جیسے انسان کی محبّت کامل یا ناقص طور پر ہوتی ہے اُسی اندازہ کے موافق یہ جبریلی نور اُس پر اثر ڈالتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ رُوح القدس کی قوّت جو دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے دل میں جبریلی نور کے پرتوہ سے پیدا ہوجاتی ہے اِس کے وجود کے لیے یہ امر لازم نہیں کہ ہر وقت انسان خدائے تعالےٰ کا پاک کلام سُنتا ہی رہے یا کشفی طور پر کچھ دیکھتا ہی رہے بلکہ یہ تو انوارِ سماویہ کے پانے کے لیے اسبابِ قریبہ کی طرح ہے یا یُوں کہو کہ یہ ایک روحانی روشنی روحانی آنکھوں کے دیکھنے کے لیے یا ایک روحانی ہوا روحانی کانوں تک آواز پہنچانے کے لیے منجانب اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک کوئی چیز سامنے موجود نہ ہو مجرد روشنی کچھ دکھا نہیں سکتی اور جب تک متکلّم کے مُنہ سے کلام نہ نکلے مجرد ہوا کانوں تک کوئی خبر نہیں پہنچا سکتی سو یہ روشنی یا یہ ہوا روحانی حواس کے لیے محض ایک آسمانی مویّد عطا کیا جاتا ہے جیسے

ظاہری آنکھوں کے لیے آفتاب کی روشنی اور ظاہری کانوں کے لیے ہوا کا ذریعہ مقرر کیا گیا ہے اور جب باری تعالےٰ کا ارادہ اِس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اپنا کلام اپنے کسی ملہم کے دل تک پُہنچاوے تو اُس کی اِس متکلمانہ حرکت سے معاً جبرئیلی نور میں القا کے لیے ایک روشنی کی مَوج یا ہوا کی مَوج یا ملہم کی تحریک لسان کے لیے ایک حرارت کی مَوج پیدا ہو جاتی ہے اور اُس متموّج یا اُس حرارت سے بلا توقف وہ کلام ملہم کی آنکھوں کے سامنے لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے یا کانوں تک اُس کی آواز پُہنچتی ہے یا زبان پر وہ الہامی الفاظ جاری ہوتے ہیں اور روحانی حواس اور روحانی روشنی جو قبل از الہام ایک قوّت کی طرح ملتی ہے یہ دونوں قوّتیں اِس لیے عطا کی جاتی ہیں کہ تا قبل از نزول الہام الہام کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے کیونکہ اگر الہام ایسی حالت میں نازل کیا جاتا کہ ملہم کا دل حواس روحانی سے محروم ہوتا یا رُوح القدس کی روشنی دل کی آنکھ کو پُہنچی نہ ہوتی تو وہ الہام الٰہی کو کن آنکھوں کی پاک روشنی سے دیکھ سکتا سو اِسی ضرورت کی وجہ سے یہ دونوں پہلے ہی سے ملہمین کو عطا کی گئیں اور اِس تحقیق سے یہ بھی ناظرین سمجھ لیں گے کہ وحی کے متعلق جبریل کے تین کام ہیں۔

اوّل یہ کہ جب رِحم میں ایسے شخص کے وجود کے لیے نُطفہ پڑتا ہے جس کی فطرت کو اللہ جل شانہٗ اپنی رحمانیت کے تقاضا سے جس میں انسان کے عمل کو کچھ دخل نہیں ملہمانہ فطرت بنانا چاہتا ہے تو اُس پر اُسی نُطفہ ہونے کی حالت میں جبریلی نُور کا سایہ ڈال دیتا ہے تب ایسے شخص کی فطرت منجانب اللہ الہامی خاصیت پیدا کر لیتی ہے اور الہامی حواس اُس کو مِل جاتے ہیں۔

پھر دوسرا کام جبریل کا یہ ہے کہ جب بندہ کی محبت خدائے تعالیٰ کی محبت کے زیر سایہ آپڑتی ہے تو خدائے تعالیٰ کی مربیانہ حرکت کی وجہ سے جبریلی نور میں بھی ایک حرکت پیدا ہوکر محب صادق کے دل پر وہ نور جا پڑتا ہے یعنی اُس نور کا عکس محب صادق کے دل پر پڑکر ایک عکسی تصویر جبریل کی اُس میں پیدا ہو جاتی ہے جو ایک روشنی یا ہوا یا گرمی کا کام دیتی ہے اور بطور ملکہ الہامیہ کے ملہم کے اندر رہتی ہے ایک سرا اس کا جبریل کے نور میں غرق ہوتا ہے اور دوسرا ملہم کے دل کے اندر داخل ہو جاتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں روح القدس یا اُس کی تصویر کہہ سکتے ہیں۔

تیسرا کام جبریل کا یہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کی طرف سے کسی کلام کا ظہور ہو تو ہوا کی طرح موج میں آکر اس کلام کو دل کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے یا روشنی کے پیرایہ میں افروختہ ہو کر اُس کو نظر کے سامنے کر دیتا ہے یا حرارت محرکہ کے پیرایہ میں تیزی پیدا کر کے زبان کو الہامی الفاظ کی طرف چلاتا ہے اس جگہ میں اُن لوگوں کا وہم بھی دُور کرنا چاہتا ہوں جو اِن شکوک اور شبہات میں مبتلا ہیں جو اولیاء اور انبیاء کے الہامات اور مکاشفات کو دوسرے لوگوں کی نسبت کیا خصوصیت ہو سکتی ہے کیونکہ اگر نبیوں اور ولیوں پر امور غیبیہ کھلتے ہیں تو دوسرے لوگوں پر بھی کبھی کبھی کھل جاتے ہیں بلکہ بعض فاسقوں اور غایت درجہ کے بدکاروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں اور بعض پرلے درجہ کے بدمعاش اور شریر آدمی اپنے ایسے مکاشفات بیان کیا کرتے ہیں کہ آخر وہ سچے نکلتے ہیں پس جب کہ اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے تئیں نبی یا کسی اور خاص درجہ کے آدمی تصوّر کرتے ہیں ایسے ایسے بدچلن آدمی بھی شریک ہیں جو بدچلنیوں اور

بدمعاشیوں میں چھپے ہوئے اور شہرۂ آفاق ہیں تو نبیوں اور ولیوں کی کیا فضیلت باقی رہی سو میں اِس کے جواب میں کہتا ہوں کہ درحقیقت یہ سوال جس قدر اپنی اصل کیفیت رکھتا ہے وہ سب درست اور صحیح ہے اور جبریلی نُور کا چھیالیسواں[۴۶] حصّہ تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق اور فاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں بلکہ میں یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے کہ بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہے جس کی تمام جوانی بدکاری ہی میں گزری ہے کبھی سچّی خواب دیکھ لیتی ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی ایسی رات میں بھی کہ جب وہ بادہ بسرو آشنا ببر کا مصداق ہوتی ہے کوئی خواب دیکھ لیتی ہے اور وہ سچّی نکلتی ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ جبریلی نور آفتاب کی طرح جو اُس کا ہیڈکوارٹر ہے تمام معمورہ عالم پر حسب استعداد اُن کی اثر ڈال رہا ہے اور کوئی نفس بشر دُنیا میں ایسا نہیں کہ بالکل تاریک ہو کم سے کم ایک ذرّہ سی محبت وطن اصلی اور محبوب اصلی کی ادنی سی ادنی سرشت میں بھی ہے اِس صورت میں نہایت ضروری تھا کہ تمام بنی آدم پر یہاں تک کہ اُن کے مجانین پر بھی کسی قدر جبرئیل کا اثر ہوتا اور فی الواقعہ ہے بھی کیونکہ مجانین بھی جن کو عوام الناس مجذوب کہتے ہیں اپنے بعض حالات میں بوجہ اپنے ایک طور کے انقطاع کے جبریلی نُور کے نیچے جا پڑتے ہیں تو کچھ کچھ اُن کی باطنی آنکھوں پر اس نور کی روشنی پڑتی ہے جس سے وُہ خدائے تعالیٰ کے تصرفات خفیہ کو کچھ کچھ دیکھنے لگتے ہیں مگر ایسی خوابوں یا ایسے مکاشفات سے نبوّت اور ولایت کو کچھ صدمہ نہیں پہنچتا اور اُن کی شان بلند میں کچھ بھی فرق نہیں آتا اور کوئی التباس حیران کرنے والا واقعہ نہیں ہوتا کیونکہ درمیان میں ایک

ایسا فرق بیّن ہے کہ جو بدیہی طور پر ہر ایک سلیم العقل سمجھ سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خواص اور عوام کی خوابیں اور مکاشفات اپنی کیفیت اور کمیت اتصالی و انفصالی میں ہرگز برابر نہیں ہیں جو لوگ خدائے تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ خارق عادت کے طور پر نعمت غیبی کا حصّہ لیتے ہیں دُنیا اِن نعمتوں میں جو اُنہیں عطا کی جاتی ہیں صرف ایسے طور کی شریک ہے جیسے شاہِ وقت کے خزانہ کے ساتھ ایک گدا دریوزہ گر ایک درم کے حاصل رکھنے کی وجہ سے شریک خیال کیا جائے لیکن ظاہر ہے کہ اس ادنیٰ مشارکت کی وجہ سے نہ بادشاہ کی شان میں کچھ شکست آسکتی ہے اور نہ اُس گدا کی کچھ شان بڑھ سکتی ہے اور اگر ذرا غور کرکے دیکھو تو یہ ذرّہ مثال مشارکت ایک کرم شب تاب بھی جس کو پٹ بیجنا یا جگنو بھی کہتے ہیں آفتاب کے ساتھ رکھتا ہے تو کیا وہ اِس مشارکت کی وجہ سے آفتاب کی عزّت میں سے کوئی حصّہ لے سکتا ہے سو جاننا چاہیئے کہ درحقیقت تمام فضیلتیں باعتبار اعلیٰ درجہ کے کمال کے جو کمیت اور کیفیت کے رو سے حاصل ہو پیدا ہوتی ہیں یہ نہیں کہ ایک حرف کی شناخت سے ایک شخص ایک فاضل اجل کا ہم پایہ ہو جائے گا یا اتفاقاً ایک مصرعہ بن جانے سے بڑے شاعروں کا ہم پلّہ کہلائے گا ذرہ مثال شراکت سے کوئی نوع حکمت یا حکومت کے خالی نہیں اگر ایک بادشاہ سارے جہان کی حکومت کرتا ہے تو ایسا ہی ایک مزدور آدمی اپنی جھونپڑی میں اپنے بچّوں اور اپنی بیوی پر حاکم ہے رہی یہ بات کہ خدائے تعالیٰ نے نیک بختوں اور بدبختوں میں مشارکت کیوں رکھی اور تخم کے طور پر غافلین کے گروہ کو نعمت غیبی کا کیوں حصّہ دیا اِس کا جواب یہ ہے کہ الزام اور اتمام حجت کے لئے تا اِس تخمی شراکت کی وجہ سے ہر ایک منکر کاملوں کی حالت کا گواہ ہو جائے کیوں کہ جب کہ وہ اپنے چھوٹے سے دائرہ

استعداد میں کچھ نمونہ اُن باتوں کا دیکھتا ہے جو اُن کاملوں کی زبان سے سُنتا ہے پس اِس تھوڑی سی جھلک کی وجہ سے اِس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اپنے سچے دل سے اُن الہامی امور کو بکلی غیر ممکن سمجھے سو وہ اِس روحانی خاصیت کا ایک ذرا سا نمونہ اپنے اندر رکھنے کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کے الزام کے نیچے ہے جس کی رو سے بحالت انکار وہ پکڑا جائے گا جیسا کہ آج کل کے آریہ خیال کر رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے چاروں ویدوں کو نازل کر کے پھر یک لخت ہمیشہ کے لیے الہامات کی صف کو پیسٹ دیا ہے مگر خدائے تعالیٰ کا قانون قدرت اُنہیں ملزم کرتا ہے جب کہ وہ بچشم خود دیکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ انکشافات غیبیہ کا اب تک جاری ہے اور اُن میں سے فاسق آدمی بھی کبھی کبھی سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں پس ظاہر ہے کہ وہ خُدا جس نے اپنا روحانی فیض نازل کرنے سے اِس زمانہ کے فاسقوں اور دنیا پرستوں کو بھی محروم نہیں رکھا اور اُن پر بھی باوجود فقدان کامل مناسبت کے کبھی کبھی رشحات فیض نازل کرتا ہے تو اپنے نیک بندوں پر جو اُس کی مرضی پر چلیں اور اکمل اور اتم طور پر اُس سے مناسبت رکھیں کیا کچھ نازل کرتا نہیں ہو گا اور ایک بھید اِس تخمی مشارکت میں یہ ہے کہ تا ہر یک شخص کو وہ کیسا ہی فاسق اور بدکار یا کافر خونخوار ہو اُس مشارکت پر غور کرنے سے سمجھ لیوے کہ خدائے تعالیٰ نے اُسے ہلاک کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ اس نے اس کے اندر ترقی کی راہ رکھی ہے اور اس کو بھی تخم کے طور پر ایک نمونہ دیا ہے جس میں وہ آگے قدم بڑھا سکتا ہے اور وہ فطرتاً خدائے تعالیٰ کے خوان نعمت سے محروم نہیں ہے ہاں اگر آپ بے راہی اختیار کر کے اس نُور کو جو اس کے اندر رکھا گیا ہے غیر مستعمل چھوڑ کر آپ محروم بن جائے اور ان طبعی طریقوں کو جو نجات پانے کے طریق ہیں دیدہ دانستہ چھوڑ دیوے تو یہ خود اس کا ساختہ پرداختہ ہے جسکا بد نتیجہ اسے بھگتنا پڑیگا۔

(توضیح مرام)

توضیح مرام میں قرآنی قسموں کا جو فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں سورۃ الشمس کی جو مختصر تفسیر پیش کی گئی ہے ذیل میں اس کی مزید وضاحت کے لئے حضورؑ کی کتاب آئینہ کمالات اسلام از حاشیہ صفحہ ۹۴ تا صفحہ ۱۰۱ قرآنی قسموں کے فلسفے کو اور اس کے ثبوت میں مزید دو سورتوں کی مختصر تفسیر کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں: "از انجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ سورۃ والطارق میں خدا تعالیٰ نے غیر اللہ کی قسم کیوں کھائی حالانکہ آپ ہی فرماتا ہے کہ بجز اس کے کسی دوسرے کی قسم نہ کھائی جائے نہ انسان نہ آسمان کی نہ زمین نہ کسی ستارہ کی نہ کسی اور کی اور پھر غیر کی قسم کھانے میں خاص ستاروں اور آسمان کی قسم کی خدا تعالیٰ کو اس جگہ کیا ضرورت آپڑی۔ سو در حقیقت یہ دو اعتراض ہیں جو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور بوجہ ان کے باہمی تعلقات کے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے جوابات ایک ہی جگہ بیان کئے جائیں۔ سو اوّل قسم کے بارے میں خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ جل شانہٗ کی قسموں کا انسانوں کی قسموں پر قیاس کر لینا قیاس مع الفارق ہے خدا تعالیٰ نے جو انسان کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ انسان جب قسم کھاتا ہے تو اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کو ایک ایسے گواہ رویت کا قائم مقام ٹھہراوے کہ جو اپنے ذاتی علم سے اس کے بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکتا ہے کیونکہ اگر سوچ کر دیکھو تو قسم کا اصل مفہوم شہادت ہی ہے۔ جب انسان معمولی شاہدوں کے پیش کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر قسم کا محتاج ہوتا ہے تا اس سے وہ فائدہ اٹھاوے جو ایک شاہد رویت کی شہادت سے اٹھانا چاہیئے لیکن یہ تجویز کرنا یا اعتقاد رکھنا کہ بجز خدا تعالیٰ کے اور بھی کوئی حاضر ناظر ہے اور تصدیق یا تکذیب یا سزا دہی یا کسی اور امر پر قادر ہے صریح کلمہ کفر ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں انسان کے لئے یہی تعلیم ہے کہ غیر اللہ کی ہرگز قسم نہ کھاوے۔

اب ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی قسموں کا انسان کی قسموں کیساتھ قیاس درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ خدا تعالیٰ کو انسان کی طرح کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آتی کہ جو انسان کو قسم کے وقت پیش آتی ہے بلکہ اس کا قسم کھانا ایک اور رنگ کا ہے جو اس کی شان کے لائق اور اس کے قانون

قدرت کے مطابق ہے اور غرض اس سے یہ ہے کہ تا صحیفہ قدرت کے بدیہات کو شریعت کے اسرار دقیقہ کے حل کرنے کے لئے بطور شاہد کے پیش کرے اور چوں کہ اس مدعا کو قسم سے ایک مناسبت بھی اور وہ یہ کہ جیسا ایک قسم کھانے والا جب مثلاً خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ میرے اس واقعہ پر گواہ ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے بعض کھلے کھلے افعال بعض چھپے ہوئے افعال پر گواہ ہیں اس لئے اس نے قسم کے رنگ میں اپنے افعال بدیہیہ کو اپنے افعال نظریہ کے ثبوت میں جا بجا قرآن کریم میں پیش کیا اور اس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے غیر اللہ کی قسم کھائی کیونکہ وہ درحقیقت اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے نہ کسی غیر کی اور اس کے افعال اس کے غیر نہیں ہیں۔ مثلاً اس کا آسمان یا ستارہ کی قسم کھانا اس قصد سے نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کی قسم ہے بلکہ اس نیت سے ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھوں کی صنعت اور حکمت آسمان اور ستاروں میں موجود ہے اس کی شہادت بعض اپنے افعال مخفیہ کے سمجھانے کے لئے پیش کرے۔ سو درحقیقت خدا تعالیٰ کی اس قسم کی قسمیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں بہت سے اسرار معرفت سے بھری ہوئی ہیں اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں قسم کی طرز پر ان اسرار کا بیان کرنا محض اس غرض سے ہے کہ قسم درحقیقت ایک قسم کی شہادت ہے جو شاہد رویت کے قائم مقام ہو جاتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کے بعض افعال بھی بعض دوسرے افعال کے لئے بطور شاہد کے واقعہ ہوئے ہیں سو اللہ تعالیٰ قسم کے لباس میں اپنے قانون قدرت کے بدیہات کی شہادت اپنی شریعت کے بعض دقائق حل کرنے کے لئے پیش کرتا ہے۔ تا قانون قدرت جو خدا تعالیٰ کی ایک فعلی کتاب ہے اس کی قولی کتاب پر شاہد ہو جائے اور تا اس کے قول اور فعل کے باہم مطابقت ہو کر طالب صادق کے لئے مزید معرفت اور سکینت اور یقین کا موجب ہو اور یہ ایک عام طریق اللہ جل شانہٗ کا قرآن کریم میں ہے کہ اپنے افعال قدریہ کو جو اس کی مخلوقات میں بافائدہ منضبط اور مترتب پائے جاتے ہیں اقوال شرعیہ کے حل کرنے کے لئے جا بجا پیش کرتا ہے تا اس بات کی طرف لوگوں کو توجہ دلاوے کہ یہ شریعت اور یہ تعلیم اسی ذات واحد لاشریک کی طرف سے ہے جس کے ایسے افعال موجود ہیں

جو اس کے ان اقوال سے مطابقت کلی رکھتے ہیں کیونکہ افعال کا اقوال سے مطابق آجانا بلاشبہ اس بات کا ایک ثبوت ہے کہ جس کے یہ افعال ہیں اسی کے یہ اقوال ہیں۔ اب ہم نمونہ کے طور پر ان چند قسموں کی تفسیر لکھتے ہیں جو قرآن کریم میں وارد ہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہی قسم ہے کہ:

والسماء والطارق وما ادراك ما الطارق النجم الثاقب۔ ان کل نفس لما علیها حافظ ان آیات میں اصل مدعا اور مقصد یہ ہے کہ ہر یک نفس کی روحانی حفاظت کے لئے ملائک مقرر ہیں[1] جو ہر دم اور ہر وقت ساتھ رہتے ہیں اور جو حفاظت کا طالب ہو اس کی حفاظت کرتے ہیں لیکن یہ بیان ایک باریک اور نظری ہے۔ فرشتوں کا وجود خود ہی غیر مرئی ہے۔

پھر ان کی حفاظت پر کیونکر یقین آوے اس لئے خداوند کریم وحکیم نے اپنے قانون قدرت کو جو اجرام سماوی میں پایا جاتا ہے۔ اس جگہ قسم کے پیرایہ میں بطور شاہد کے پیش کیا اور وہ یہ ہے کہ قانون قدرت خداتعالیٰ کا صاف اور صریح طور پر نظر آتا ہے کہ آسمان اور جو کچھ کواکب اور شمس اور قمر اور جو کچھ اس کے پول میں ہوا وغیرہ موجود ہے۔ یہ سب انسان کے لئے جسمانی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اور طرح طرح کے جسمانی نقصانوں اور حرجوں اور تکلیفوں اور تنگیوں سے بچاتے ہیں اور اسکے جسم اور جسمانی قویٰ کے کل مایحتاج کو تیار کرتے ہیں خاص کر رات کے وقت جو ستارے پیدا ہوتے ہیں جنگلوں اور بیابانوں میں چلنے والے اور سمندروں کی سیر کرنے والے ان چمکدار ستاروں سے بڑا ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور اندھیری رات کے وقت میں ہر یک نجم ثاقب رہنمائی کر کے جان کی حفاظت کرتا ہے اور اگر یہ محافظ نہ ہوں جو اپنے اپنے وقت میں

[1] نوٹ: اگرچہ ملائک جسمانی آفات سے بھی بچاتے ہیں لیکن ان کا بچانا روحانی طور پر ہی ہے مثلاً ایک شخص ایک گرنے والی دیوار کے نیچے کھڑا ہے تو یہ تو نہیں کہ فرشتہ اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اس کو دور لے جائے گا۔ بلکہ اگر اس شخص کا اس دیوار سے بچنا مقدر ہے تو فرشتہ اس کے دل میں الہام کر دے گا کہ یہاں سے جلد کھسک جانا چاہیئے لیکن ستاروں اور عناصر وغیرہ کی حفاظت جسمانی ہے۔ منہ

شرط حفاظت بجا لا رہے ہیں تو انسان ایک طرفۃ العین کے لئے بھی زندہ نہ رہ سکے سوچ کر جواب دینا چاہیئے کیا ہم بغیر ان تمام محافظوں کے کہ کوئی ہمارے لئے حرارت مطلوبہ تیار رکھتا ہے اور کوئی اناج اور پھل پکاتا ہے اور کوئی ہمارے پینے کے لئے پانیوں کو برساتا ہے اور کوئی ہمیں روشنی بخشتا ہے اور کوئی ہمارے تنفس کے سلسلہ کو قائم رکھتا ہے اور کوئی ہماری قوت شنوائی کو مدد دیتا ہے اور کوئی ہماری حرارت عزیزی پر صحت کا اثر ڈالتا ہے زندہ رہ سکتے ہیں اب اسی سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ جس خداوند کریم و حکیم نے یہ ہزارہا اجرام سماوی و عناصر وغیرہ ہمارے اجسام کی درستی اور قائمی کے لئے پیدا کئے اور دن رات بلکہ ہر دم ان کو خدمت میں لگا دیا ہے کیا وہ ہماری روحانی حفاظت کے انتظام سے غافل رہ سکتا تھا اور کیونکر ہم اس کریم و رحیم کی نسبت ظن کر سکتے ہیں کہ ہمارے جسم کی حفاظت کے لئے تو اس نے اسقدر سامان پیدا کر دیا کہ ایک جہان ہمارے لئے خادم بنا دیا لیکن ہماری روحانی حفاظت کے لئے کچھ بندوبست نہ فرمایا۔ اب اگر ہم انصاف سے سوچنے والے ہوں تو اسی سے ایک محکم دلیل مل سکتی ہے۔ کہ بے شک روحانی حفاظت کے لئے بھی حکیم مطلق نے کوئی ایسا انتظام مقرر کیا ہو گا۔ کہ جو جسمانی انتظام سے مشابہ ہو گا سو وہ ملائک کا حفاظت کے لئے مقرر کرنا ہے سو اسی غرض سے خداتعالیٰ نے یہ قسم آسمان اور ستاروں کی کھائی تا ملائک کی حفاظت کے مسئلہ کو جو ایک مخفی اور نظری مسئلہ ہے نجوم وغیرہ کی حفاظت کے انتظام سے جو ایک بدیہی امر ہے بخوبی کھول دیوے اور ملائک کے وجود کے ماننے کے لئے غور کرنے والوں کے آگے اپنے ظاہر انتظام کو رکھ دیوے جو جسمانی انتظام ہے تا عقل سلیم جسمانی انتظام کو دیکھ کر اسی نمونہ پر روحانی انتظام کو بھی سمجھ لیوے۔

دوسری قسم جو بطور نمونہ کے ذیل میں لکھی جاتی ہے یہ ہے والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی علمہ شدید القوی ذو مرۃ فاستوی وھو بالافق الاعلیٰ (الجزء ۲۷ سورۃ النجم) یعنی قسم ہے تارے کی جب طلوع کرے یا گرے کہ تمہارا صاحب بیراہ نہیں ہوا اور نہ بہک گیا اور

وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ اس کی ہر ایک کلام تو وحی ہے جو نازل ہو رہی ہے جس کو سخت قوت والی یعنی جبرائیل نے سکھلایا ہے۔ وہ صاحب قوت اس کو پورے طور پر نظر آیا اور وہ کنارہ بلند پر تھا۔ اس قسم کے کھانے سے مدعا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا امر کو کفار کی نظر میں ایک نظری امر ہے ان کے ان مسلمات کی رو سے ثابت کر کے دکھلایا جاوے جو ان کی نظر میں بدیہی کا حکم رکھتے تھے۔ اب جاننا چاہیئے کہ عرب کے لوگ بوجہ ان خیالات کے جو کاہنوں کے ذریعہ سے ان میں پھیل گئے تھے نہایت شدید اعتقاد سے ان باتوں کو مانتے تھے کہ جس وقت کثرت سے ستارے یعنی شہب گرتے ہیں تو کوئی بڑا عظیم الشان انسان پیدا ہوتا ہے خاص کر ان کے کاہن جو ارواح خبیثہ سے کچھ تعلق پیدا کر لیتے تھے اور اخبار غیبیہ بتلایا کرتے تھے ان کا تو گویا پختہ اور یقینی عقیدہ تھا کہ کثرت شہب یعنی تاروں کا معمولی اندازہ سے بہت زیادہ ٹوٹنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی نبی دنیا میں پیدا ہونے والا ہے اور ایسا اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے وقت حد سے زیادہ سقوط شہب ہوا جیسا کہ سورۃ الجن میں خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کی شہادت دی ہے اور حکایتاً عن الجنات فرمایا ہے: وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شديدا وشهبا وانا كنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الآن يجد له شهابا رصدا سورۃ الجن الجزو نمبر ۲۹

یعنی ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو چوکیداروں سے یعنی فرشتوں سے اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم پہلے اس سے امور غیبیہ کے سننے کے لئے آسمان میں گھات میں بیٹھا کرتے تھے اور اب جب ہم سننا چاہتے ہیں تو گھات میں ایک شعلے کو پاتے ہیں جو ہم پر گرتا ہے۔ ان آیات کی تائید میں کثرت سے احادیث پائی جاتی ہیں۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ سب اس قسم کی حدیثیں اپنی تالیفات میں لائے ہیں کہ شہب کا گرنا شیاطین کے رد کرنے کے لئے ہوتا ہے اور امام احمد ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ شہب جاہلیت کے زمانہ میں بھی گرتے تھے لیکن ان کی کثرت اور غلظت بعثت کے وقت میں ہوئی چنانچہ تفسیر ابن کثیر

میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کے وقت جب کثرت سے شہب گرے تو اہل طائف بہت ہی ڈر گئے اور کہنے لگے کہ شائد آسمان کے لوگوں میں تہلکہ پڑگیا تب ایک نے ان میں سے کہا کہ ستاروں کی قرارگاہوں کو دیکھو اگر وہ اپنے محل اور موقع سے ٹل گئے ہیں تو آسمان کے لوگوں پر کوئی تباہی آئی ورنہ یہ نشان جو آسمان پر ظاہر ہوا ہے ابن ابی کبشہ کی وجہ سے ہے (وہ لوگ شرارت کے طور پر آنحضرت صلعم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے) غرض عرب کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ جب کوئی نبی دنیا میں آتا ہے یا کوئی اور عظیم الشان آدمی پیدا ہوتا ہے تو کثرت سے تارے ٹوٹتے ہیں۔ اسی وجہ سے مناسبت خیالات عرب کے شہب کے گرنے کی خدا تعالیٰ نے قسم کھائی جس کا مدعا یہ ہے کہ تم لوگ خود تسلیم کرتے ہو اور تمہارے کاہن اس بات کو مانتے ہیں کہ جب کثرت سے شہب گرتے ہیں تو کوئی نبی یا ملہم من اللہ پیدا ہوتا ہے تو پھر انکار کی کیا وجہ ہے۔ چونکہ شہب کا کثرت سے گرنا عرب کے کاہنوں کی نظر میں اس بات کے ثبوت کے لئے ایک بدیہی امر تھا۔ کہ کوئی نبی اور ملہم من اللہ پیدا ہوتا ہے اور عرب کے لوگ کاہنوں کے ایسے تابع تھے جیسا کہ ایک مرید مرشد کا تابع ہوتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے وہی بدیہی امر ان کے سامنے قسم کے پیرایہ میں پیش کیا تا اُن کو اس سچائی کی طرف توجہ پیدا ہو کہ یہ کاروبار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے انسان کا ساختہ پرداختہ نہیں۔ اگر یہ سوال پیش ہو کہ شہب کا گرنا اگر کسی نبی یا ملہم یا محدث کے مبعوث ہونے پر دلیل ہے تو پھر کیا وجہ کہ اکثر ہمیشہ شہب گرتے ہیں مگر ان کے گرنے سے کوئی نبی یا محدث دنیا میں نزول فرما نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم کثرت پر ہے اور کچھ شک نہیں کہ جس زمانہ میں یہ واقعات کثرت سے ہوں اور خارق عادت طور پر ان کی کثرت پائی جائے تو کوئی مرد خدا دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح خلق اللہ کے لئے آتا ہے کبھی یہ واقعات ارہاص کے طور پر اس کے وجود سے چند سال پہلے ظہور میں آجاتے ہیں اور کبھی عین ظہور کے وقت جلوہ نما ہوتے ہیں اور کبھی اس کی کسی اعلیٰ فتحیابی کے وقت یہ خوشی کی روشنی آسمان پر ہوتی ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سدی سے روایت کی

ہے کہ شہب کا کثرت سے گرنا کسی نبی کے آنے پر دلالت کرتا ہے یا دین کے غلبہ کی بشارت دیتا ہے مگر جو کچھ اشارات نص قرآن کریم سے سمجھا جاتا ہے وہ ایک مفہوم عام ہے جس سے صاف اور صریح طور پر مستنبط ہوتا ہے کہ جب کوئی نبی یا وارث نبی زمین پر مامور ہو کر آوے یا آنے پر ہو یا اس کے ارہاصات ظاہر ہونے والے ہوں یا کوئی بڑی فتحیابی قریب الوقوع ہو تو ان تمام صورتوں میں ایسے ایسے آثار آسمان پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس سے انکار کرنا نادانی ہے کیونکہ عدم علم سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ بعض مصلح اور بعض مجددین دنیا میں ایسے آتے ہیں کہ عام طور پر دنیا کو ان کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

سورۃ لیلۃ القدر، سورۃ البینہ اور سورۃ الزلزال کی تفسیر

ایک نہایت لطیف نکتہ جو سورۃ القدر کے معانی پر

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا ہے کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے تو اسکے ساتھ فرشتے آسمان سے اتر کر مستعد لوگوں کو حق کیطرف کھینچتے ہیں۔ پس ان آیات کے مفہوم سے یہ جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر سخت ضلالت اور غفلت کے زمانہ میں یک دفعہ ایک خارق عادت طور پر انسانوں کے قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کیطرف حرکت پیدا ہونی شروع ہو جائے تو وہ اسبات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہوگیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا ہونا ممکن نہیں اور وہ حرکت حسب استعداد طبائع دو قسم کی ہوتی ہے حرکت تامہ اور حرکت ناقصہ۔ حرکت تامہ وہ حرکت ہے جو روح میں صفائی اور سادگی بخش کر اور عقل اور فہم کو کافی طور پر تیز کر کے رو بحق کر دیتی ہے۔ اور حرکت ناقصہ وہ ہے جو روح القدس کی تحریک سے عقل اور فہم تو کسی قدر تیز ہو جاتا ہے مگر بباعث عدم سلامت استعداد کے وہ رو بحق نہیں ہو سکتا بلکہ مصداق اس آیت کا ہو جاتا ہے کہ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا یعنی عقل اور فہم کے جنبش میں آنے سے پچھلی حالت اس شخص کی پہلی حالت سے بدتر ہو جاتی ہے جیسا کہ تمام نبیوں کے وقت میں یہی ہوتا رہا کہ جب انکے نزول کے ساتھ ملائک کا نزول ہوا تو ملائک کی اندرونی تحریک سے ہر یک طبیعت عام طور پر جنبش میں آگئی تب جو لوگ راستی کے فرزند تھے وہ اُن راستبازوں کی طرف کھینچے چلے آئے۔ اور جو شرارت اور شیطان کی ذریت تھے وہ اس تحریک سے خواب غفلت سے

جاگ تو اٹھے اور دینیات کی طرف متوجہ بھی ہو گئے لیکن بباعث نقصان استعداد حق کیطرف رُخ نہ کر سکے سو فعل ملائک کا جو ربانی مصلح کے ساتھ اترتے ہیں ہر یک انسان پر ہوتا ہے لیکن اس فعل کا نیکوں پر نیک اثر اور بدوں پر بد اثر پڑتا ہے ؎

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید در شورہ بوم خس

اور جیسا کہ ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں یہ آیت کریمہ فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضاً اسی مختلف طور کے اثر کیطرف اشارہ کرتی ہے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر نبی کے نزول کیوقت ایک لیلۃ القدر ہوتی ہے جس میں وہ نبی اور وہ کتاب جو اسکو دی گئی ہے آسمان سے نازل ہوتی ہے اور فرشتے آسمان سے اترتے ہیں لیکن سب سے بڑی لیلۃ القدر وہ ہے جو ہمارے نبی صلعم کو عطا کی گئی ہے درحقیقت اس لیلۃ القدر کا دامن آنحضرت صلعم کے زمانہ سے قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور جو کچھ انسانوں میں دلی اور دماغی قویٰ کی جنبش آنحضرت صلعم کے زمانہ سے آجتک ہو رہی ہے وہ لیلۃ القدر کی تاثیرین ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ سعیدوں کے عقلی قویٰ میں کامل اور مستقیم طور پر وہ جنبشیں ہوتی ہیں اور اشقیا کے عقلی قویٰ ایک کج اور غیر مستقیم طور سے جنبش میں آتے ہیں اور جس زمانہ میں آنحضرت صلعم کا کوئی نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں ایک بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں بلکہ اسی زمانہ سے کہ وہ نائب رحم مادر میں آوے پوشیدہ طور پر انسانی قویٰ کچھ کچھ جنبش شروع کرتے ہیں اور حسب استعداد ان میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اس نائب کو نیابت کے اختیارات ملنے کیوقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے پس نائب رسول اللہ صلعم کے نزول کیوقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ درحقیقت اس لیلۃ القدر کی ایک شاخ ہے یا یوں کہو کہ اس کا ظل ہے جو آنحضرت صلعم کو ملی ہے،

خدا تعالیٰ نے اس لیلۃ القدر کی نہایت درجہ کی شان بلند کی ہے جیسا کہ اسکے حق میں یہ آیت کریمہ ہے کہ فیہا یفرق کل امر حکیم یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانہ میں جو قیامت تک ممتد ہے ہر یک حکمت اور معرفت کی باتیں دنیا میں شائع کر دی جائیں گی اور انواع اقسام کے علوم غریبہ و فنون نادرہ و صناعات عجیبہ صفحہ عالم میں پھیلا دیئے جائیں گے اور انسانی قویٰ میں موافق ان کی مختلف استعدادوں اور مختلف قسم کے امکان بسطت علم اور عقل کے جو کچھ لیاقتیں مخفی ہیں یا جہانتک وہ ترقی کر سکتے ہیں سب کچھ منصہ ظہور میں لایا جائیگا لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پُر زور تحریکوں سے ہوتا رہے گا کہ جب کوئی نائب رسول اللہ صلعم دنیا میں پیدا ہوگا درحقیقت اسی کو سورۃ الزلزال میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ سورۃ الزلزال سے پہلے سورۃ القدر نازل کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام لیلۃ القدر میں ہی نازل ہوتا ہے اور اس کا نبی لیلۃ القدر میں ہی دنیا میں نزول فرماتا ہے اور لیلۃ القدر میں ہی وہ فرشتے اترتے ہیں جن کے ذریعہ دنیا میں نیکی کیطرف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ ضلالت کی پُر ظلمت رات سے شروع کر کے طلوع صبح صداقت تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد

دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے رہیں پھر بعد اس سورۃ کے خدا تعالیٰ نے سورۃ البینۃ میں بطور نظیر کے بیان کیا کہ لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ یعنی جن سخت بلاؤں میں اہل کتاب اور مشرکین مبتلا تھے ان سے نجات پانے کی کوئی سبیل نہ تھی بجز اس سبیل کے کہ خدا تعالیٰ نے آپ پیدا کر دی کہ وہ زبردست رسول بھیجا جس کے ساتھ زبردست تحریک دینے والے ملائک نازل کئے تھے۔ اور زبردست کلام بھیجا گیا تھا پھر بعد اس کے آنے والے زمانہ کے لئے خدا تعالیٰ سورۃ الزلزال میں بشارت دیتا ہے اور واِذَا زُلْزِلَتِ کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تم یہ نشانیاں دیکھو تو سمجھو کہ وہ لیلۃ القدر اپنے تمامتر زور کے ساتھ پھر ظاہر ہوئی ہے اور کوئی ربانی مصلح خدا تعالیٰ کی طرف سے مع ہدایت پھیلانے والے فرشتوں کے نازل ہو گیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا وقال الانسان مالھا یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک اوحی لھا یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ یعنی ان دنوں کا جب آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی عظیم الشان مصلح آئے گا اور فرشتے نازل ہونگے یہ نشان ہے کہ زمین جہاں تک اس کا ہلانا ممکن ہے ہلائی جائے گی یعنی طبیعتوں اور دلوں اور دماغوں کو غایت درجہ پر جنبش دی جائے گی اور خیالات عقلی اور فکری اور سبعی اور بہیمی پورے پورے جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے اور زمین اپنے تمام بوجھوں کو باہر نکال دیگی یعنی انسانوں کے دل اپنی تمام استعدادات مخفیہ کو منصہ ظہور لائیں گے اور جو کچھ انکے اندر علوم و فنون کا ذخیرہ ہے یا جو کچھ عمدہ عمدہ دلی و دماغی طاقتیں دلیاقتیں ان میں مخفی ہیں۔ سب کی سب ظاہر ہو جائیں گی اور انسانی قوتوں کا آخری نچوڑ نکل آئیگا اور جو جو ملکات انسان کے اندر ہیں یا جو جو جذبات اس کی فطرت میں مودع ہیں وہ تمام ممکن قوت سے حیز فعل میں آجائیں گے۔ اور انسانی حواس کی ہر یک نوع کی تیزیاں اور بشری عقل کی ہر قسم کی باریک بینیاں نمودار ہو جائیں گی اور تمام دفائن و خزائن علوم مخفیہ و فنون مستورہ کے جو چھپے ہوئے چلے آتے ہیں ان سب پر انسان فتحیاب ہو جائے گا۔ اور اپنی فکری اور عقلی تدبیروں کو ہر یک باب میں انتہا تک پہنچا دیگا اور انسان کی تمام قوتیں جو نشاء انسانی میں مخمر ہیں صدہا طرح کی تحریکوں کی وجہ سے حرکت میں آجائیں گی اور فرشتے جو اس لیلۃ القدر میں مرد مصلح کے ساتھ آسمان سے اترے ہوں گے ہر یک شخص پر اس کی استعداد کے موافق خارق عادت اثر ڈالیں گے یعنی نیک لوگ اپنے نیک خیال میں ترقی کریں گے اور جن کی نگاہیں دنیا تک محدود ہیں وہ ان فرشتوں کی تحریک سے دنیوی عقلوں اور معاشرت کی تدبیروں میں وہ

یدبیضا دکھلائیں گے کہ ایک مرد عارف متحیر ہوکر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ عقلی اور فکری طاقتیں ان لوگوں کو کہاں سے ملیں تب اس روز ہر یک استعداد انسانی بزبان حال باتیں کرے گی کہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتیں میری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک وحی ہے جو ہر یک استعداد پر بحسب اس کی حالت کے اتر رہی ہے یعنی صاف نظر آئے گا کہ جو کچھ انسانوں کے دل و دماغ کام کر رہے ہیں۔ یہ ان کی طرف سے نہیں بلکہ ایک غیبی تحریک ہے کہ ان سے یہ کام کرا رہی ہے سو اس دن ہر یک قسم کی قوتیں جوش میں دکھائی دیں گی۔ دنیا پرستوں کی قوتیں فرشتوں کی تحریک سے جوش میں آکر اگرچہ بباعث نقصان استعداد کے سچائی کی طرف رخ نہیں کریں گی لیکن اس قسم کا اُبال ان میں پیدا ہو کر اور انجماد اور افسردگی دور ہو کر اپنی معاشرت کے طریقوں میں عجیب قسم کی تدبیریں اور صنعتیں اور کلیں ایجاد کر لیں گے اور نیکوں کی قوتوں میں خارق عادت طور پر الہامات اور مکاشفات کا چشمہ صاف صاف طور پر بہتا نظر آئے گا اور یہ بات شاذ و نادر ہو گی کہ مومن کی خواب جھوٹی نکلے تب انسانی قوی کے ظہور و بروز کا دائرہ پورا ہو جائے گا اور جو کچھ انسان کے نوع میں پوشیدہ طور پر ودیعت رکھا گیا تھا وہ سب خارج میں جلوہ گر ہو جائے گا تب خدا تعالیٰ کے فرشتے ان تمام راستبازوں کو جو زمین کی چاروں طرفوں میں پوشیدہ طور پر زندگی بسر کرتے تھے ایک گروہ کی طرح اکٹھا کر دیں گے اور دنیا پرستوں کا بھی کھلا کھلا ایک گروہ نظر آئے گا تا ہر یک گروہ اپنی کوششوں کے ثمرات کو دیکھ لیوے تب آخر ہو جائے گی یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بنا ابھی سے ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو بھیجا ہے۔ اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ انت اشد مناسبۃ بعیسیٰ بن مریم واشبہ الناس بہ خُلقاً وَخَلقاً و زماناً مگر یہ تاثیرات اس لیلۃ القدر کی اب بعد اسکے کم نہیں ہوں گی بلکہ بالاتصال کام کرتی رہینگی کہ جب تک وہ سب کچھ پورا نہ ہو لے جو خدا تعالیٰ آسمان پر مقرر کر چکا ہے اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے اترنے کے لئے جو زمانہ انجیل میں بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ وہ حضرت نوحؑ کے زمانہ کی طرح امن اور آرام کا زمانہ ہو گا۔ درحقیقت اسی مضمون پر سورۃ الزلزال جسکی تفسیر ابھی کی گئی ہے دلالت التزامی کے طور پر شہادت دے رہی ہے کیونکہ علوم و فنون کے پھیلنے اور انسانی عقول کی ترقیات کا زمانہ درحقیقت ایسا ہی چاہیئے جس میں غایت درجہ کا امن و امان ہو کیونکہ لڑائیوں اور فسادوں اور خوف جان اور خلاف امن زمانہ میں ہرگز ممکن نہیں کہ لوگ عقلی و عملی امور میں ترقیات کر سکیں یہ باتیں تو کامل طور پر تبھی سوجھتی ہیں کہ جب کامل طور پر امن حاصل ہو۔ ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر اس سورۃ الزلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئیگا اور وہ ایسا زلزلہ ہو گا کہ تمام زمین اس سے زیر و زبر

ہو جائے گی اور جو زمین کے اندر چیزیں ہیں وہ سب باہر آجائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اس روز زمین باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائیگی یہ سراسر غلط تفسیر ہے۔ کہ جو قرآن شریف کے سیاق و سباق کے مخالف ہے اگر قرآن شریف کے اس مقام پر بنظر غور تدبر کرو تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورۃ البینۃ اور سورۃ الزلزال ' سورۃ لیلۃ القدر کے متعلق ہیں اور آخری زمانہ تک اس کا کل حال بتلا رہی ہیں ماسوا اسکے ہر یک عقل سلیم سوچ سکتی ہے کہ ایسے بڑے زلزلہ کے وقت میں کہ جب ساری زمین تہ و بالا ہو جائیگی ایسے کافر کہاں زندہ رہیں گے جو زمین سے اسکے حالات استفسار کریں گے کیا ممکن ہے کہ زمین تو ساری زیرو زبر ہو جائے یہاں تک کہ اوپر کا طبقہ اندر اور اندر کا طبقہ باہر آجائے اور پھر لوگ زندہ بچ رہیں بلکہ اس جگہ زمین سے مراد زمین کے رہنے والے ہیں اور یہ عام محاورہ قرآن شریف کا ہے کہ زمین کے لفظ سے انسانوں کے دل اور ان کے باطنی قویٰ مراد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ ایک جگہ فرماتا ہے: اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا اور جیسا کہ فرماتا ہے البلد الطیب یخرج نباتہٗ باذن ربہ والذی خبث لایخرج الا نکدا ایسا ہی قرآن شریف میں بیسوں نظریں موجود ہیں جو پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ ماسوا اس کے روحانی واعظوں کا ظاہر ہونا اور انکے ساتھ فرشتوں کا آنا ایک روحانی قیامت کا نمونہ ہوتا ہے جس سے مُردوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور جو قبروں کے اندر ہیں وہ باہر آجاتے ہیں اور نیک اور بد لوگ اپنی سزا جزا پا لیتے ہیں سو اگر سورۃ الزلزال کو قیامت کے آثار میں سے قرار دیا جائے تو اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ایسا وقت روحانی طور پر ایک قسم کی قیامت ہی ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے تائید یافتہ بندے قیامت کا ہی روپ بن کر آتے ہیں اور انہیں کا وجود قیامت کے نام سے موسوم ہو سکتا ہے جن کے آنے سے روحانی مردے زندہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور نیز اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جب ایسا زمانہ آجائے گا کہ تمام انسانی طاقتیں اپنے کمالات کو ظاہر کر دکھائیں گی اور جس حد تک بشری عقول اور افکار کا پرواز ممکن ہے اس حد تک وہ پہنچ جائیں گی اور جن مخفی حقیقتوں کو ابتداء سے ظاہر کرنا مقدر ہے وہ سب ظاہر ہو جائیں گی۔ تب اس عالم کا دائرہ پورا ہو کر یک دفعہ اس کی صف لپیٹ دی جائیگی۔ کل شیٔ فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (ازالہ اوہام از صفحہ ۱۰۰ تا صفحہ ۱۳۶ متن)